

۳۶
الَا يَجْمَعُونَ أَحَدٌ عَلَيْنَا فَنَحْمِلُ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِينَ

اے کافر! کیا تم جمع ہو کر ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہو کہ ہم اپنے گمراہیوں کو اپنا کر اور تمہاری گمراہیوں کو اپنا کر اپنے آپ کو سچے مانو؟
یا تمہاری گمراہیوں کو اپنا کر اور تمہاری گمراہیوں کو اپنا کر اپنے آپ کو سچے مانو؟

سوم جاہلیت

یعنی
زمانہ اسلام سے پیشتر کے عربوں کی جملہ رسوم کا تذکرہ

جس میں

انکے عقائد و اعمال - عبادات و معاملات و ہمیات و تخیلات اور
انکے تہوار - میلے وغیرہ امور پر تفصیل تمام بیان کئے گئے ہیں

از

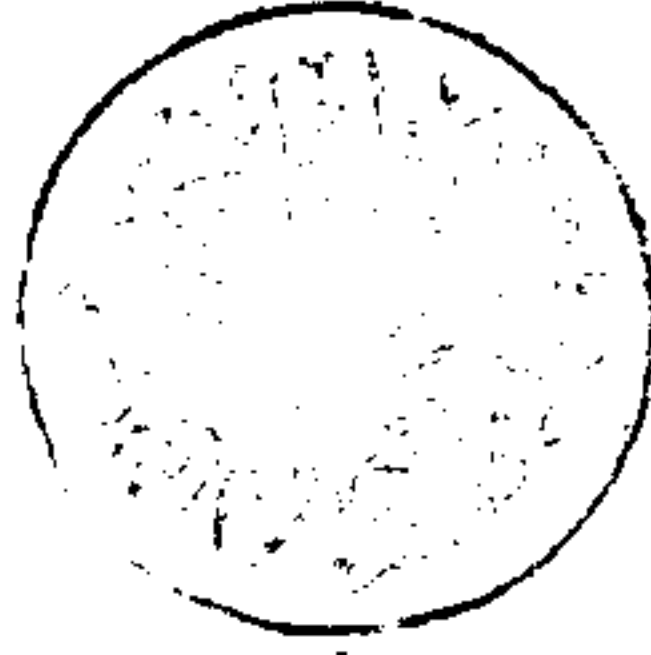
مولانا مولوی نجم الدین صاحب ہواوی مؤلف سیرۃ الشافعی وغیرہ

۱۹۲۹ء

دارالاشاعت پنجاب لاہور



“



135117

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جاہلیت کی تعریف

جناب مسیح علیہ السلام کے رفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان جو زمانہ گزرا ہے۔ وہ جاہلیت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ ہم اس کتاب میں اسی زمانہ کی رسوم لکھتے ہیں لیکن خاص مشرکین عرب کی۔ کیونکہ اصطلاحاً عرفاً رسوم جاہلیت خاص انہیں رسوم کو کہتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پیشتر جزیرہ عرب کے مشرکین میں رائج تھیں۔ دیگر اقالم و بلاد عرب کے اہل کتاب کی رسوم سے ہم کو کوئی تعلق نہیں۔ گو معنی لغوی کے اعتبار سے وہ بھی رسوم جاہلیت میں داخل ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض رسوم مشترک ہوں۔ یا ان کو مشرکین عرب نے اہل کتاب سے لیا ہو۔ اور ہماری اس کتاب میں آگئی ہوں۔

جاہلیت کے ادیان و عقاید

عرب جاہلیت میں چونکہ مختلف ادیان رائج تھے۔ اس لئے ان کے عقائد میں بھی اختلاف تھا جس فرقہ کا جو دین تھا۔ اسی کے مطابق اس کے عقیدے تھے۔ لہذا ہم ہر فرقہ کا مختصر حال علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

موجودین۔ اس فرقہ کے لوگ حضرت ابراہیم اور ان کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین پر تھے۔ بت پرستی۔ قتل اولاد۔ وادنبات وغیرہ امور منکرہ اور ان تمام بدعات سے جو عمر و بن لُحی خزاعی نے نکالی تھیں۔ سخت متنفر تھے۔ یہ لوگ موحد اور خفاہ یعنی تابع ملت ابراہیم کہلاتے تھے۔ لیکن ایسے لوگ تعداد میں بہت تھوڑے گزرے ہیں۔ اس فرقہ کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ یہ ہیں۔ قس بن ساعدہ۔ زید بن عمرو بن نفیل۔ امیہ بن ابی القصل۔ ارباب بن رباب۔ سوید بن عامر مصلقی۔ اسعد ابوکرب۔ حمیری۔ وکیع بن سلمہ بن زہیر آبادی۔ عیمر بن جندب جہنی۔ عدی بن زید۔ ابوقیس صرمہ بن ابی انس۔ سیف بن ذی یزین۔ ورقہ بن نوفل۔ عامر بن النضر۔ عبد اللہ الطاہر۔ بن الثعلب۔ علاف بن شہاب۔ مملک بن امیہ۔ زہیر بن ابی سلمہ۔ خالد بن سنان۔ عبد اللہ بن قضاعی۔ عبید بن ابرص الاسدی۔ کعب بن لؤی۔ قصی۔ ہاشم۔ عبد مناف۔

ان لوگوں کی نسبت اگرچہ پورے طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم یا اسماعیل علیہما السلام کا دین کامل و مکمل محفوظ تھا۔ لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ یہ لوگ اللہ اور یوم آخر پر پورا پورا ایمان رکھتے تھے۔ اور خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے

لے ابن شاہین۔ عبدان۔ اور بعض دیگر محدثین نے قس بن ساعدہ کو صحابہ میں گنا ہے۔ لیکن ابن سکن نے تصریح کی ہے کہ قس بن ساعدہ کا انتقال بعثت نبوی سے پہلے ہو چکا تھا۔ لہذا آخر میں مسیحی دین قبول کر لیا تھا۔ لیکن نہ صلیب پہنچتے تھے اور نہ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔ تہی آخر زبان کی آمد کے منتظر تھے ہم نے ان کا ذکر مسیحی ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ اس حیثیت سے کیا ہے کہ مسیحی ہونے سے پہلے یہ موحد اور ملت ابراہیم کے تابع تھے۔ اسی طرح اگر اور کوئی بزرگ بھی مسیحی ہوں تو ان کی نسبت بھی ہمارا یہی خیال ہے۔

تھے نہایت سلیم الفطرت تھے۔ اور ہمیشہ خلیل و ذبیح کے دین کے متلاشی رہتے تھے ان کے اشعار و قصاید اور خطبے توحید سے پُر ہیں۔ نیکی کے کاموں میں سب آگے رہتے تھے اور ہر ایک بدی سے بچتے تھے۔ اگر ہم انکا مفصل حال لکھنا چاہیں تو ساری کتاب اسی میں ختم ہو جائے۔ اور اپنے مقصود سے رہ جائیں لہذا ہم فقط اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہودی اور نصرائی۔ یہودی حضرت موسیٰ اور نصرائی حضرت مسیح علیہما السلام کے متبع کہلاتے تھے۔ یہود عزیر کو اور نصاریٰ مسیح ابن الہد کہتے تھے۔ اگرچہ ان فرقوں نے اپنے اپنے پیغمبر کے دین کا بہت سا حصہ بدل ڈالا تھا۔ اور اپنی طرف سے ہزاروں بدعتیں نکال لی تھیں۔ تاہم ان کو اہل کتاب ہونے کا فخر تھا۔ اور ان میں اس قدر خرابیاں نہ تھیں جس قدر عرب جاہلیت کے دیگر فرقوں میں تھیں۔ چونکہ ایام جاہلیت میں عرب میں یہ بھی دو فرقے تھے اس لئے ہم نے جملہ ان کا بھی ذکر کر دیا۔ ورنہ ہم کو اہل کتاب سے بحث نہیں ہے۔ کیونکہ رسوم جاہلیت خاص مشرکین عرب کی رسوم کے لئے موضوع ہے۔ گو بعض رسوم میں اور اہل ادیان بھی شریک ہوں۔

ستارہ پرست۔ جاہلیت کے بعض فرقہ ستارہ پرست تھے۔ بنی تیم کے بعض اشخاص دبران کو پوجتے تھے۔ اور نجم اور خزاعہ اور قریش کے بعض قبائل شمری کو شمری کے پوجنے کی بدعت سے پہلے ابو کبشہ نے نکالی تھی۔ اس فرقہ کی تردید قرآن مجید کی اس آیت میں کی گئی ہے۔ اِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِیٰ یعنی خدا تعالیٰ شمری کا پروردگار ہے۔ پھر شمری کو جو پوجتے ہو اس کے پروردگار ہی کو کیوں نہ پوجو۔

آفتاب پرست و ماہ پرست۔ جاہلیت کے بعض قبائل چاند اور سورج کو بھی پوجتے تھے جنکی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ یعنی نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے بلکہ اس خدا کے آگے جھکو
وَتَسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ۔ جس نے ان دونوں کو پیدا کیا ہے۔

مجوس۔ عرب کے بعض دیہات میں مجوس آباد تھے۔ یہ لوگ آگ کو پوجتے تھے۔ اور ماں بہن بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ سے نکاح جائز جانتے تھے۔

ملائکہ پرست اور جنات پرست۔ دیہات کے بعض طائفہ فرشتوں اور جنات کو بھی پوجتے تھے۔ اس فرقہ کی تردید قرآن مجید کی اس آیت میں کی گئی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلْمَلَكِ أَهْلُؤْا هَٰؤُلَاءِ أَيْتَكُمْ كَأَنَّهُمْ قُلُوبٌ نَّجَسَاتٌ أَتَتْ وَلَيْسْنَا مِنْ دُونِهِمْ بِلَاؤُ الْعِبَادِ
یعنی اُس دن کو یاد کرو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا والی وارث ہے۔ یہ نہیں ہیں یہ لوگ ہمیں نہیں پوجتے تھے بلکہ

جنوں کو پوجتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ جنوں ہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس آیت میں جو فرشتوں نے اپنی پرستش کا انکار کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ سرے ہی سے فرشتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو خدا کے فرشتوں سے پوچھنے کے کیا معنی تھے۔ کیا وہ عالم الغیب فضول سوال کر سکتا ہے بلکہ فرشتوں کے قول کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم نے ان کو اپنی پرستش کے لئے اغوا نہیں کیا تھا۔ یہ کام جنات کا ہے۔ جنات ہی پر یہ لوگ ایمان رکھتے تھے اور انہیں کا کہا مانتے تھے۔ انہوں نے ہی ان سے ہماری پرستش بھی کرائی ہوگی۔

زنادقہ۔ یہ فرقہ جہان کے دو خالق مانتا تھا۔ ایک خیر اور نور کا اور دوسرا شر اور ظلمت کا۔ ابن قتیبہ نے معارف میں اس فرقہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے عقاید کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ قریش میں کچھ لوگ زندیق تھے جنہوں نے اس مذہب کو حیرہ سے لیا تھا۔ حیرہ چونکہ بلاد فارس میں واقع تھا۔ اور اس میں جو عرب رہتے تھے وہ یا پارسی دین رکھتے تھے یا عیسائی۔ پس جو عقاید حیرہ سے ماخوذ ہوں گے وہ لا محالہ پارسی ہوں گے۔ کیونکہ عیسائی عقاید والوں کو زندیق کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ غرض ابن قتیبہ کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں یہ مذہب پارسی سے آیا تھا۔ اور چونکہ پارسیوں کے عقاید میں سب سے مقدم یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو خالق مانتے ہیں۔ اس لئے ہم نے اس فرقہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ وہ دو خالق مانتا تھا۔

صابئین۔ یہ وہ قوم تھی جس کے رئیس الموحدین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے کو اکب پرستی میں مناظرہ کیا تھا۔ اور ستارہ اور چاند اور سورج کے چھپنے سے ان کو قائل کیا تھا کہ یہ چیزیں معبود بننے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زوال پذیر ہیں۔ ایک حالت پر قائم نہیں رہتیں۔ اور معبود وہ ہونا چاہئے جو بے زوال ہو۔ غرض جس قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہ قوم صابی کہلاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر صابین کی دو قسمیں تھیں مخنف اور مشرکین۔ مخنف ہم ہی لوگ ہیں جن کا ذکر پہلے موحدین میں گزر چکا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے تھے۔ اس لئے کفار قریش آپ کو بھی صابی کہتے تھے۔

مشرکین سب سے سیارہ اور بارہ برجوں کو پوجتے تھے۔ سب سے سیارہ شمس۔ قمر۔ زہرہ مشتری مریخ۔ عطارد۔ زحل۔ کے لئے انہوں نے علیحدہ علیحدہ سیکلیں بنائی تھیں جن میں انکی تصویریں تھیں۔ ان ستاروں کے لئے ان کے ہاں خاص خاص عبادتیں اور دعائیں مقرر تھیں۔ نجومیوں کی طرح پختروں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کی حرکات و سکنات اور تمام کاروبار کا مدار پختروں پر تھا۔ اور بارش کو پختروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ چونکہ نبوت کے یہ لوگ سرے ہی سے قائل نہ تھے۔ اس لئے ان کا کوئی خاص دین نہیں تھا۔ بلکہ ان کا اصل صہول یہ تھا کہ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق ہر دین میں سے عمدہ عمدہ باتیں جن لیتے تھے۔ گویا یہ لوگ اس زمانہ کے برہموتھے۔

دوسرے بجاہلیت میں بعض قبائل دہریہ تھے۔ جو خدا اور جزائے اعمال کے منکر تھے اور عالم کو قدیم مانتے تھے۔ اس فرقہ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَ
نَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ط

یعنی سوائے دنیا کی زندگی کے اور کچھ نہیں۔ زمانہ کی تاثیر سے خود بخود ہی ہم مرجاتے ہیں۔ اور خود بخود ہی پیدا ہو جاتے ہیں

اور ہمیں زمانہ ہی مار دیتا ہے۔

بت پرست۔ ابو المنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے کتاب الاصلنام میں بت پرستی کی بنیاد یوں لکھی ہے۔ کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے مکہ میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ان کی نسل اس کثرت سے پھیلی کہ مکہ بھر گیا۔ اور انہوں نے ایک کر کے ان عمالیق کو جو مکہ میں رہتے تھے وہاں سے نکال دیا۔ اس پر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تمام اولاد مکہ میں

نہ ساسکی۔ اور مکے میں جب کوئی غیر نہ رہا تو خود ان میں آپس میں عداوتیں واقع ہوئیں اور غلام جنگیاں ہونے لگیں جو فریق غالب آیا۔ اس نے فریق مغلوب کو نکال دیا۔ اس طرح اسماعیل علیہ السلام کی اولاد معاش اور مسکن کی تلاش میں اودھلے پھرتے ہوئے ہو گئی۔ اور جہاں جسکو ٹھکانا ملا وہاں آباد ہو گئے۔ جنوں اور پتھروں کی پوجا کا سبب یہ ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم اور حج اور عمرہ کی رسم ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے بطور وراثت کے چلی آتی تھی۔ اور ان کو کعبہ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت اور انتہا درجہ کا عشق تھا۔ اس لئے جب کوئی شخص حرم سے باہر سفر کرتا تو حرم کعبہ کی تعظیم کے خیال سے حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اپنے ساتھ لے جاتا اور جہاں ٹھہرتا اس کو اپنے آگے رکھ کر کعبہ کی طرح اس کے گرد طواف کرتا۔ پھر ان کے بعد ان کی اولاد نے جب یہ دیکھا کہ ہمارے بزرگ پتھروں کی تعظیم کرتے تھے تو وہ اس کی غرض و غایت کو نہ سمجھے اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا دین چھوڑ کر بتوں کو پوجنے لگے اور اُنم سابقہ قوم نوح وغیرہ کی روش اختیار کر لی جس پتھر کو چاہتے تھے پوجنے لگتے تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ دین اسماعیل علیہ السلام پر باقی رہے۔ اگرچہ انہوں نے بھی اس میں بعض وہ باتیں داخل کر لیں جو اس میں نہیں تھیں۔

یہ سبب ہوا کہ اور اس کے نواح سے باہر بت پرستی کے پھیلنے کا۔ لیکن مکے اور اس کے نواح میں جس شخص نے سب سے پہلے دین اسماعیل علیہ السلام کو بدلا اور بتوں کو قائم کیا اور سائبہ اور بکیرہ اور وصیلہ اور حام چھوڑے وہ عمرو بن لُحی خزاعی ہے۔ یہ شخص عرب کے مشہور قبیلہ خزاعہ کا جدِ اعلیٰ ہے جس کی طرف قبیلہ خزاعہ منسوب ہے۔ اس کی ماں کا نام فہیرہ تھا جو عمرو بن حارث کی بیٹی تھی۔ عمرو اس کا نانا یعنی فہیرہ کا باپ مکے کا اخیر متولی تھا جسکے بعد عمرو بن لُحی اس کا نواسا مکے کا متولی ہوا۔ اسکے بعد سے خانہ کعبہ اور مکے کی تولیت خزاعہ میں ہو گئی۔ اور تین سو برس تک اسی قبیلہ میں رہی۔

اس کے بتوں کے قائم کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے بعد یہ شخص بیمار ہو گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ بقاءِ شام میں ایک حمام ہے۔ اگر تو وہاں جائے اور اس میں غسل

کرے تو تجھے آرام ہو جائے یہ وہاں گیا اور اس نے اس حمام میں غسل کیا جس سے اسے آرام ہو گیا وہاں کے لوگوں کو اس نے بتوں کو پوجتے دیکھا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہیں جن کو تم پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود ہیں۔ انہیں سے ہم مینہ برسنے کی دعا مانگتے ہیں اور انہیں سے اپنے دشمنوں پر فتح مانگتے ہیں پاس نے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک ہمیں بھی دے دو۔ انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا اور اسے ایک بت دیدیا جس کا نام ہبل تھا جب یہ وہاں سے مکے آیا تو اس بت کو اپنے ساتھ لیتا آیا اور اُسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا یہ سب سے پہلا بت ہے۔ جو خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا اس کے بعد یہ جڑہ گیا اور وہاں سے ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق اور نسر پانچ بت لایا اور ان کو خانہ کعبہ کے گرد کھڑا کر دیا۔ یہ پانچوں بت قوم نوح کے تھے۔ جو اس کی کوشش سے اہل عرب کے ہاتھ لگ گئے۔ اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس کے کہنے سے عرب نے ان بتوں کو پوجنا شروع کر دیا۔

ان بتوں کی کیفیت یہ ہے کہ برد بن ہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام کے وقت میں ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ اور نسر پانچ آدمی تھے جو نہایت صلح اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اتفاقاً پانچوں ایک ہی مہینے میں مر گئے ان کے قریبی رشتہ داروں کو ان کے مرنا کا نہایت رنج ہوا۔ اور زیادتی غم و الم کی وجہ سے ان کے کاروبار میں فرق آگیا۔ ان کا اندوہ و غم اور رنج و الم روز بروز بڑھتا گیا اور کسی طرح ان کے بیقرار دل کو تسکین نہ ہوئی۔ ان کی محبت جوش مارتی تھی۔ لیکن صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی جب ان کی بے صبری حسد سے بڑھ گئی۔ تو بنی قابیل میں سے ایک شخص نے اُن سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اُن کی صورت پر پانچ بت بنا دوں ان بتوں اور ان بزرگوں کی صورت میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔ البتہ میں اُن میں فقط روح نہیں ڈال سکتا انہوں نے اس امر کو بخوشی منظور کر لیا۔ اُس نے اُن کی صورت پر پانچ بت بنا کر ان کے لئے ایک جگہ کھڑے کر دیئے جب وہ بت نصب ہو گئے تو ہر ایک بت کے پاس اس کے بھائی۔ بھتیجے بیچا۔ اور اور رشتہ دار آئے۔ اس کی تعظیم کرتے اور اس کے گرد پھرتے یہاں تک کہ یہ قرن اسی

لے فتح الباری شرح صحیح بخاری اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں یہ سب باتیں لکھی ہیں لیکن ان میں عمرو کے بارہوے اور حمام کا ذکر نہیں ہے۔ وہ ہم نے بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ سے لیا ہے۔

طرح گزر گیا جب دوسرا قرن آیا تو اس قرن کے لوگوں نے ان بتوں کی پہلے قرن والوں سے زیادہ تعظیم کی۔ اور اس طرح روز بروز ان کی تعظیم بڑھتی رہی۔ پھر جب تیسرا قرن آیا تو اس قرن کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے جو ان بتوں کی تعظیم کی ہے تو غالباً اس لئے کی ہے کہ انہیں یہ قوی امید تھی کہ یہ بت خدا کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے۔ یہ قیاس دوڑا کر انہوں نے ان بتوں کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور انہیں پوجنے لگے۔ اور ان کا کفر اور بڑو گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک یہ بت بچتے رہے۔ اور روز بروز لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم بڑھتی رہی۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی تعظیم اور پرستش میں اور بھی مبالغہ کیا۔ ہر چند اس برگزیدہ خدا نے سمجھایا کہ بھائیو خدا کے سوا اور کوئی قابل پرستش نہیں ہے ان بتوں کو چھوڑ دو اور خدا کے آگے جھکو۔ لیکن اُن بد نصیبوں نے ایک نہ سنی نوح کا مقابلہ کیا اور سب نے ملکر کہا کہ

لا تذرنا آلہتکم ولا تذرنا و
 دا ولا سواعا ولا یغوث یعوق ولسرہ

اس کے کہنے سے تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو نہ دو کو چھوڑو
 نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نہ کوہ خزان بد کردار

پر خدا کا غضب نازل ہوا اور وہ طوفان آیا جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ طوفان ان پانچوں بتوں کو بہا کر جدہ لے آیا۔ پانی خشک ہو جانے کے بعد یہ بت نہر جدہ کے ایک کنارہ پر پڑے رہ گئے۔ اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ہوا سے مٹی اڑا کر ان کے اوپر پڑتی رہی۔ اور اس طرح ایک عرصہ کے بعد زمین میں گر گئے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

عرب میں ان بتوں کے آنے کا سبب یہ ہوا کہ عمرو بن لُحی خزاعی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ایک کاہن تھا جس کا ایک جن تابع تھا۔ اُس جن نے اسے درغلا یا اور یہ حکم دیا کہ یہاں سے جلد روانہ ہو۔ اور سعادت اور سلامتی کے ساتھ تھامہ سے سفر کر۔ جدہ جاؤ ہاں تو چند بت بنے تیار پائے گا۔ ان کو تھامہ میں لا اور کسی سے نہ ڈر۔ پھر تمام عرب کو ان کی عبادت کی طرف بلا۔

عرب تیرا کہا مانیں گے پلے

جن کا یہ حکم سن کر عمرو بن لُحی نہر جدہ پر پہنچا اور نہر کھود کر ان بتوں کو نکالا۔ اور تھامہ میں لایا۔ پھر جب حج کا موسم آیا اور اطراف و جوانب کے عرب مکے میں جمع ہوئے تو اس نے تمام عرب کے

ان بتوں کی عبادت کی طرف بلایا۔ سب سے اول عوف بن غدرہ بن زید اللات نے اس کا کہا مانا۔ اس نے اس کو وودے دیا۔ عوف نے اس کو دوستہ الجندل کے وادی القریٰ میں نصب کر دیا اور اس کے نام پر اپنے بیٹے کا نام عبدود رکھا۔ عرب میں یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اپنے بیٹے کا نام بت کے نام پر رکھا۔ پھر عوف نے اپنے بیٹے عامر کو اس کا مجاور بنا دیا۔ چنانچہ اسلام کے زمانہ تک اسی کی اولاد اس بت کی مجاور رہی۔

عمر بن لُحی مذکور اپنے وقت میں عرب میں نہایت مقتدر اور قابو یافتہ تھا۔ اہل عرب کے لئے جو شریعت تجویز کرتا تھا اور جو جو بدعت نکالتا تھا۔ وہ اس کو نہایت خوشی سے قبول کر لیتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص کاہن تھا جن کو اہل عرب پیغمبروں کی طرح مانتے تھے۔ اس کے علاوہ خانہ کعبہ کا متولی اور حد درجہ کا سخی اور فیاض تھا۔ ایام حج میں لوگوں کو کھانا کپڑا دیتا تھا۔ اس کی سخاوت اور فیاضی کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ حج کے موسم میں ہمیشہ دس ہزار اونٹ قربان کرتا تھا اور لوگوں دس ہزار جوڑے کپڑے پہناتا تھا۔

بت پرست اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے اور ان کے لئے حج اور قربانیاں بھی کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی خالق کے وجود کے قائل تھے۔ عالم کو حادث مانتے تھے۔ اور مرنے کے بعد ایک قسم کے اعادہ کے سب مقرر تھے گو اس کی صورت اور کیفیت میں اختلاف تھا۔ جائز و ناجائز اور حرام و حلال کے بھی قائل تھے۔ ان کی توحید یہ تھی کہ خالق رازق۔ لوگوں کے کام سنوارنے والا۔ نفع نقصان کا مالک اور پناہ دینے والا فقط ایک خدا کو جانتے تھے اور ان امور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ کامل اعتقاد تھا کہ جہاں کا پیدا کرنے والا مخلوق کا پالنے والا اور روزی دہندہ۔ لوگوں کے کام سنوارنے والا اور انہیں پناہ دینے والا نفع نقصان کا مالک سوائے ایک خدا کے اور کوئی نہیں ہے۔ ان کا یہ اعتقاد قرآن مجید کی ان آیات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ

اگر تو ان سے پوچھے گا کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ اللہ نے اور اگر یہ پوچھے گا کہ خود ان سے کہہ کہ زمین اور اس کے

وَلَنِّ سَالَتُهُم مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَيَقُوْلُنَّ اِنَّهٗ وَلَنِّ سَالَتُهُم مِّنْ خَلْقِهِمْ لَيَقُوْلُنَّ
اِنَّهٗ قُلْ لِّمَنَ الْاَرْضُ وَمَن فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

سے بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ ص ۲۳ مطبوعہ بغداد ۱۳۱۵ھ دیکھو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔

سيقولون لله قل من يرزقكم من السماء
والارض امن بملك السمع والبصار
من يخرج الحي من الميت ويخرج الميت
من الحي ومن يدبر الامر فسيقولون الله

جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ اللہ نے تو ان سے
کہہ کہ زمین اور اس کے اندر کی چیزیں کس کی ملک
ہیں اگر تمہیں علم ہے۔ تو بتلاؤ۔ وہ اس کا بھی یہی
جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ تو ان سے پوچھ کہ پہلا

تمہیں آسمان اور زمین میں سے روزی کون دیتا ہے اور بھلا شنوائی اور بینائیوں کا مالک کون ہے
اور مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے اور لوگوں کے کام کون سنوارتا ہے؟ وہ
ان سب باتوں کا جواب یہی دیں گے کہ اللہ باوجود اس اقرار ربوبیت کے جو یہ لوگ بتوں کو پوجتے
تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بتوں کی عبادت سے بھی ان کا مقصود خدا ہی کی عبادت اور اس کا تقرب
تھا۔ بتوں کی پرستش کی وجوہات ہر گروہ اور فرقہ نے علیحدہ علیحدہ قائم کی تھیں۔ لیکن مال سب کا ایک
ہی تھا۔ بعض کا یہ قول تھا کہ ہم میں اس قدر قابلیت نہیں ہے جو خدا کی عبادت بلا واسطہ کریں۔
کیونکہ خدا کی شان عظیم ہے ہم بلا واسطہ اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں
تاکہ یہ ہمیں خدا تک پہنچا دیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا یہ قول موجود ہے۔ ما نعبدہم الا لیقرّبونا
الی اللہ عزّوجلّ یعنی ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ خدا سے ہمارا قرب بڑھا دیں۔ بعض کہتے
تھے کہ خدا کے نزدیک فرشتوں کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس لئے ہم نے ان کی صورت پر بت بنائے ہیں
تاکہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں بعض کہتے تھے کہ ہم نے بتوں کو خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے
اپنا قبلہ مقرر کیا ہے جیسا کہ اس کی عبادت کے لئے کعبہ بھی ایک قبلہ ہے بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ
ہر بت پر خدا کے حکم سے ایک شیطان مقرر ہے پس جو شخص بت کی عبادت خوب ہی لگا کر کرتا
ہے خدا کے حکم سے شیطان اسکی حاجتیں پوری کر دیتا ہے۔ ورنہ خدا ہی کے حکم سے شیطان
اسکو تکلیف دیتا ہے۔

پھر ان بت پرستوں میں سے بعض حشر اور قیامت کے منکر تھے۔ چنانچہ قرآن مجید
میں ان کا یہ قول بیان کیا گیا ہے۔

واذ امتنا وکنّا ترابا وعظاما

وانا لمبعوثون واباؤنا والا وون

یعنی جب ہم مگر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے
یا نہ لگے اگلے باپ دادا زندہ کئے جائیں گے؟ انکار حشر کے متعلق عرب جاہلیت

کے بہت سے اشعار موجود ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

حياة ثم موت ثم نشر
حديث خرافة يا اقم عمرو

جیسا پھر مرنا۔ پھر اس کے بعد نشر۔

ام عمرو یہ بات منجملہ خرافات کے ہے۔

شدا بن اسود بن عبد شمس بن مالک ان کفار قریش کے مرثیہ میں کہتا ہے جو بدر میں قتل کئے گئے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے کنوئیں میں ڈلوادیا تھا۔

وماذا بالقلب قلب بدر
من الشيزى تزين بالسنابر
وماذا بالقلب قلب بدر
من القينات والشرب الكوام
تحثينا السلامة ام بكر
فهل لي بعدا قومي من سلام
يحدثنا الرسول بان سنحيا
وكيف حيوة اصداء وهام

بدر کے کنوئیں میں کیسے سخی اور داتا لوگ پڑے ہوئے ہیں جو اونٹ کے کوهالوں سے کٹھڑے بجا کر ہانوں کی نذر کرتے تھے۔ بدر کے کنوئیں میں کیسے ارباب نشاط پڑے ہوئے ہیں جن کے پاس ہر وقت ڈومنینیاں گاتی رہتی تھیں۔ اور سخی مے نوشوں کے ندیم تھے۔ ام بکر ہم کو سلامتی کی دعا دیتی ہے۔ کیا مجھے میری قوم کے بعد سلامتی حاصل ہو سکتی ہے؟ رسول ہم سے کہتا ہے کہ مرنیکے بعد ہم زندہ کئے جائینگے۔ بھلا جب آدمی آلوین گیا تو پھر زندہ ہونا کیسا۔

اس شعر کے دوسرے مصرع کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ زبان اردو کا غلط رکھ کر کیا ہے۔ ورنہ اس کا صحیح اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اے ام عمرو یہ بات حدیث خرافہ ہے۔ پس تا وقتیکہ حدیث خرافہ بیان نہ کی جائے اس شعر کا صحیح مطلب معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہم حدیث خرافہ بیان کرتے ہیں۔

حدیث خرافہ نہانہ قدیم سے بطور ضرب مثل کے لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ اہل عرب ہر ایک بے حقیقت اور جھوٹی بات کو حدیث خرافہ کہتے ہیں۔ خرافہ ایک شخص کا نام تھا جس نے ایک عجیب و غریب حدیث بیان کی تھی۔ اور وہ حدیث یہ ہو

حدیث خرافہ

ام المؤمنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے حدیث خرافہ بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا خدا خرافہ پر رحم کرے وہ ایک نیک آدمی تھا۔ اس نے عجم سے اپنا قصہ یون بیان کیا تھا کہ ایک رات وہ اپنے کسی کام کے لئے کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں ایسے تین جن مل گئے۔ جنہوں نے اسے پکڑ کر قید کر لیا۔ قید کرنے کے بعد ان تینوں نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا۔ ایک نے کہا کہ مناسب یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر احسان نہ کیا جائے۔ دوسرے نے کہا نہیں ہم اسے قتل کرینگے۔ تیسرے نے کہا قتل سے کیا فائدہ ہم اسے اپنا غلام بنا کر رکھیں گے۔ عرض وہ تینوں اس کے بارہ میں مشورہ کر رہے تھے۔ اور ہنوز کسی بات پر ان کی رائے متفقہ آئندہ

یہ شاعر حشر کا انکار کرتا ہے اور اتو کا ذکر اسلئے کیا کہ انکے اعتقاد میں جب آدمی گل سڑ جاتا ہے تو اس کی کھوپری میں سے ایک الونکلتا ہے اس کا ذکر آئندہ آئیگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی الونکلتا تو دوبارہ انسان کیسے بن سکے گا؟

بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حشر کے قائل تھے۔ لیکن اس میں انہوں نے بہت سی غلط رائیں شامل کر لی تھیں۔ بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ پیغمبر بشر نہیں ہو سکتا۔ ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ قال تعالیٰ لو لا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیراً۔ یعنی اس پیغمبر کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتر کہ وہ بھی اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا؟

جنات اور ملائکہ کی نسبت مشرکین عرب خصوصاً اہل مکہ کا یہ اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ نے جنات کے سرداروں کی بیٹیوں سے شادی کی ہے۔ جن کے بطن سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے اسی بیہودہ اعتقاد کی تردید میں سورہ الصفات کی آیاتیں نازل ہوئی ہیں کہ

فاستفتحم الربک البنات ولهم البنون
ام خلقنا الملائکة انا ثا و هم شاهدون

اے پیغمبر ان سے پوچھ کہ کیا تیرے پروردگار کے لئے لڑکیاں ہیں اور ان کے لئے لڑکے یا بیٹے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱) اسے متفق نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے انکو سلام کیا مابہوں اس کا جواب دیا۔ سلام کے بعد اس نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم جن ہیں۔ اس آدمی کو ہم نے قید کیا ہے۔ سو ہم اسکے بارہ میں مشورہ کر رہے ہیں کہ اسے کیا کریں۔ اس نے کہا کہ اگر میں تمہیں ایک عجیب حدیث سناؤں تو تم اس شخص میں مجھے بھی شریک کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اگر تو نے ہمیں کوئی عجیب حدیث سنائی تو ہم ضرور اس آدمی میں سچے اپنا سا جی کر لیں گے۔ اس نے کہا تو سنو میرا قصہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ میں ایک بہت بڑا امیر اور مالدار آدمی تھا۔ خدا نے ہر قسم کی دولت اور نعمت مجھے دی تھی۔ لیکن جب میری تقدیر بگڑی تو میری ساری دولت و ثروت جاتی رہی اور مقروض ہو گیا۔ جب قرضخواہوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور میں ادا نہ کر سکا تو اپنا شہر چھوڑ کر ہالنگلا۔ رستے میں مجھے شدت سے پیاس لگی۔ میں ایک کنوئیں پر پہنچا اور پانی پینے کی غرض سے اسکے اندر اتر۔ کنوئیں کے اندر سے کسی شخص نے چلا کر کہا کہ خبردار پانی نہ پینا۔ میں وہ آواز سن کر کنوئیں سے باہر نکل آیا اور پانی نہ پیا۔ اسکے بعد پیاس نے مجھ پر اور بھی غلبہ کیا۔ میں پھر کنوئیں میں اتر۔ اس شخص نے کنوئیں کے اندر سے پھر چلا کر کہا کہ خبردار پانی کو ہاتھ نہ لگانا میں پھر پانی پیتے کنوئیں سے باہر نکل آیا۔ کنوئیں سے باہر آنیکے بعد پیاس نے مجھ پر اس شدت سے غلبہ کیا کہ مجھ سے مطلق صبر نہ ہو سکا اور میری بار پھر کنوئیں میں اتر۔ اس مرتبہ بھی وہ اسی طرح چلایا۔ لیکن میں نے اس چلانے کی کچھ پروا نہ کی اور پانی پی لیا۔ جب میں پانی پی چکا تو اس نے کہا کہ بارخدا یا اگر یہ شخص مرد ہو تو اسے عورت کر دے اور اگر عورت ہو تو (بقیہ صفحہ آئندہ)

الا انهم من افكهم ليقولون البتین لدالله
وانهم لکذبون ه اصطفی البسات
علی ه ما لکم کیف تحکمون
افلا تذکرون ه ام لکم سلطان
مبین ه فأتوا بکتا بکم ان کنتم
صادقین ه وجعلوا بینہ و بین
الجنة نسبا و لقد علمت الجنة انهم
لمحضرون ه سبحان الله عما یصفون ه

ان کے سامنے فرشتوں کو مونث پیدا کیا ہے
سن لے کہ یہ بہتان سے کہتے ہیں کہ خدا صاحب
اولاد ہے اور جھوٹ کہتے ہیں کیا خدا نے بیٹوں
پر بیٹیوں کو ترجیح دی؟ تمہیں کیا ہو گیا کیسا انصاف
کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ یا تمہارے پاس
کوئی کہلی دلیل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب
لاؤ اور اس میں دکھلاؤ۔ اور یہ بھی بڑی عجیب بات
ہے کہ انہوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ

ٹھیرایا حالانکہ جن خوب جانتے ہیں کہ وہ اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ یہ مشرک جو خدا کے
اوصاف بیان کرتے ہیں۔ خدا ان اوصاف سے پاک ہے۔

حاملین عرش کی نسبت مشرکین عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ چار فرشتے خدا کا عرش تھامے
ہوئے ہیں جن میں ایک فرشتہ آدمی کی صورت پر ہے۔ جو اللہ کے ہاں بنی آدم کا شفیع ہو دوسرا
فرشتہ بیل کی صورت پر ہے۔ وہ بہائم کا شفیع ہے تیسرا فرشتہ گرگس کی صورت پر ہے جو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲) اسے مرد کر دے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اسی وقت عورت بن گیا۔ اس کے بعد میں ایک شہر میں پہنچا۔
ایک شخص نے مجھ سے نکاح کر لیا میں اس کی زوجیت میں رہنے لگا اور اس کے نطفے میں سے میں نے دو بچے جنے ایک مدت
کے بعد میں اپنے شہر کو واپس ہوا۔ اور اسی کو میں پر جس کا پانی پی کر میں عورت بن گیا تھا۔ گور۔ چونکہ مجھے پیاس بڑی زور کی
لگی ہوئی تھی اس لئے میں پھر پانی پینے کی غرض سے اس کو میں میں اترا۔ اور جس طرح پہلی دفعہ چلانے والا چلایا تھا۔ اسی طرح
اس دفعہ بھی چلایا۔ لیکن پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اس کا پانی پی لیا۔ اور اس کے چلانے کی مطلق پروا نہ کی۔ اس
نے جس طرح پہلے دعا کی تھی اسی طرح اس مرتبہ بھی دعا کی جس میں عورت سے مرد بن گیا اور اپنی اصلی حالت میں آگیا جیسے پہلے
تھا۔ پھر میں اپنے شہر میں آیا۔ وہاں میں نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس کے بطن سے میرے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ سو سو وقت
میرے چار لڑکے ہیں جن میں سے دو میری بیٹی ہیں اور دو میرے بیٹے ہیں۔

اسکی یہ حدیث سن کر انہوں نے کہا کہ بیشک یہ حدیث عجیب ہے تو اس آدمی میں ہمارا شریک ہے۔

ابھی وہ آپس میں مشورہ ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس سے ایک بیل گزرا جو ہوا کی طرح اڑا چلا جا رہا تھا جب وہ
بیل ان کے پاس سے گزر گیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہاتھ میں لٹھی لئے ہانتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ اور
اس کو سانس چڑھتا ہوا ہے۔ وہ شخص انکے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ دعائے سلام
کے بعد اس نے ان کا حال پوچھا۔ انہوں نے اپنا سارا قصہ جس طرح پہلے شخص سے بیان کیا تھا اس سے بھی بیان (بقیہ آئندہ)

پرنندوں کا شفیع ہے۔ چوتھا شیر کی صورت پر ہے۔ وہ دزدوں کا شفیع ہے۔ مشرکین عرب ان چاروں فرشتوں کو دعول یعنی بزکوی کہتے تھے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے کہ

رجل و ثور تحت رجل مبینہ
والنسر للآخری ولیث مرصد
والشمس تطلع کل اخی لیلۃ
حمراء یصبر لونها یتورح
تالی فما تطلع لنا فی رسلها
الامعذبة والا تجلد

عرش کے ایک پایہ پر آدمی ہے۔ اور دوسرے پر بیل
تیسرے پر کرگس ہے اور چوتھے پر شیر صبح کو ہر رات
کے خاتمہ پر سوج سرخ گلابی رنگ نکلتا ہے۔ وہ نکلنے
سے انکار کرتا ہے۔ اور اپنی خوشی سے نہیں نکلتا۔ مگر جب
اس کو عذاب دیا جاتا ہے اور کوڑے لگائے جاتے ہیں تب
نکلتا ہے۔

جاہلیت کے لوگ تقدیر کے ویسے ہی قائل تھے۔ جیسے قائل مسلمان ہیں افلاس۔ تو انگری
صحت۔ بیماری۔ اور ہر امر کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو کچھ ازل میں
مقدر ہو چکا ہے وہی ہوا۔ وہی ہو رہا ہے۔ اور وہی آئندہ ہوگا حسن بصری کہتے ہیں کہ جاہلیت
کے لوگ اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ تقدیر کا ذکر کرتے رہتے تھے شرع شریف نے اسکی اوجھاد کر دی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳) کیا۔ اس نے کہا کہ اگر میں تمکو اس سے بھی زیادہ عجیب حدیث سناؤں۔ تو تم مجھے بھی اس قیدی میں اپنے
ساتھ شریک کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اگر تیری حدیث اس سے زیادہ عجیب ہوئی تو ہم تجھے اس قیدی میں اپنا ساتھی کرینگے
اس نے کہا تو سنو۔ ہم سات بھائی تھے اور ہمارا ایک چچا جو بڑا مالدار تھا اس کے ایک لڑکی نہایت خوبصورت تھی۔ میرے
چچا نے ایک بچہ پال رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک دن وہ بچہ اچھوٹ گیا۔ اس نے ہم ساتوں بھائیوں سے کہا کہ تم میں سے
جو اس بچہ سے کوٹھالا لائیگا اسی سے میں اپنی بیٹی بیاہ دوں گا یہ سنکر میں نے اپنی یہ لاشی اپنے ہاتھ میں لی اور نگوٹ کس کر
اس کے پیچھے دوڑتے دوڑتے مجھے سانس چڑھ گیا۔ جسوقت میں اس بیل کے پیچھے ہوا تھا اسوقت میں نو عمر لڑکا تھا اور
اب بوڑھا ہو گیا۔ سو نہ میں اس بیل تک پہنچا ہوں۔ کہ سانس پکڑ کر روک لوں۔ اور نہ یہ ٹھکنا ہے کہ کھڑا ہو جائے۔
اس سے یہ سنکر انہوں نے کہا کہ بے شک یہ حدیث عجیب ہے بیٹھ جا تو ہمارا ساتھی ہے۔

ابھی وہ مشورہ ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس ایک اور شخص آیا جو گھوڑی پر سوار تھا۔ اسکے پیچھے اس کا غلام
تھا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے بھی پہلے دونوں شخصوں کی طرح انہیں سلام کیا انہوں نے اسکے سلام کا جواب دیا۔
علیک سلیم کے بعد اس نے اُن کا حال پوچھا۔ انہوں نے اپنا سارا قصہ اس سے بیان کیا۔ جب وہ ان کا قصہ سن چکا تو
اس نے ان سے کہا کہ اگر میں تمہیں اس سے بھی زیادہ اور عجیب حدیث سناؤں۔ تو تم اپنے ساتھ مجھے بھی اس قیدی میں
شریک کر لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں اگر تیری حدیث عجیب ہوئی تو ہم تجھے اس قیدی میں بڑی خوشی سے اپنے ساتھ شریک
کر لیں گے اس نے کہا تو سنو میری ایک خبیث اور بدکار ماں تھی یہ کہہ کر اس نے اپنی گھوڑی سے جس پر وہ سوار تھا کہا کہ اسی
طرح ہے نا؟ گھوڑی نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر اس گھوڑے کی طرف جس پر اس کا غلام سوار تھا (بقیہ آئندہ)

جاہلیت کے مشہور بت

یوں تو جاہلیت میں بے شمار بت تھے جن کی تعداد ناممکن ہے۔ خود خانہ کعبہ میں جو خدا کا گھر ہے تین سو ساڑھے بت نصب تھے۔ لیکن ہم فقط ان مشہور بتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی سب سے زیادہ عزت و تعظیم کی جاتی تھی :

(۲۰۱) اساف و نائلہ یہ دونوں بت خانہ کعبہ کے پاس صفا و مروہ پر نصب تھے اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر خزاعہ اور قریش اور تمام عرب جو حج کے لئے آتے تھے ان کو پوجتے تھے۔ قریش ان دونوں بتوں کے نام پر قربانی بھی کرتے تھے :

(۳) ود۔ یہ بت دومتہ الجندل میں نصب تھا۔ بنی کلب اس کو پوجتے تھے۔ ایک دراز قد آدمی کی صورت پر بنا ہوا تھا۔ تہمد باندھے ہوئے تھا اور چادر اوڑھے ہوئے۔ گلے میں تلوار پڑی تھی۔ ہاتھ میں کمان کھینچے ہوئے تھا۔ آگے ایک تیروں سے بھرا ہوا ترکش اور لڑائی کا جھنڈا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اس بت کے گرانے کے لئے مامور کیا۔ بنی عذرہ اور بنی عامر نے خالد سے اس کے ڈھلنے میں مزاحمت کی۔ خالد نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر دیا اور اس بت کو گرا کر ریزہ ریزہ کر دیا :

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴) اشارہ کر کے کہا کہ میں اس بدکار کو اپنے اس غلام کے ساتھ مہتم کرتا تھا۔ اور گھوڑی سے پوچھا کہ میں سچ کہتا ہوں نا؟ گھوڑے نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے اپنے اس غلام کو ایک دن اپنے کسی کام کو بھیجا۔ اس بدکار نے اس کو اپنے پاس روک لیا۔ اس درمیان میں مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا وہ بد بخت عورت بڑے زور سے چلائی اور ایک چوہا برآمد ہوا اس نے اس چوہے سے کہا کہ سجدہ کر۔ چوہے نے اسے سجدہ کیا۔ پھر کہا کہ قریب ہو۔ وہ اس کے قریب ہو گیا۔ پھر کہا کہ غائب ہو۔ چنانچہ وہ غائب ہو گیا۔ پھر اس نے چلی منگا کر ایک پیالہ ستونے پر اور انہیں گھونکر اس غلام کے پاس لائی اور اس سے کہا کہ یہ ستونے آقا کے پاس لجا۔ چنانچہ وہ ستونے لکر میرے پاس آیا میں نے اس کے پینے میں ان دونوں سے چیلے حوالے کئے اور حکمت علی سے وہ پیالہ انہیں دونوں کو پلا دیا پیالہ پیتے ہی وہ عورت گھوڑی بن گئی اور وہ غلام گھوڑا چنانچہ وہ دونوں یہ موجود ہیں۔ گھوڑی پر میں سوار ہوں اور گھوڑے پر میرا غلام۔ یہ بیان کر کے اس نے گھوڑی اور گھوڑے سے کہا کہ جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح ہے نا؟ گھوڑی اور گھوڑے دونوں نے اپنے سر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ جب وہ اس کی یہ حدیث سن چکے تو انہوں نے کہا کہ جتنی باتیں آج تک ہم نے سنی ہیں۔ یہ بیشک ان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ پھر اس سے کہا کہ تو اس قیدی میں ہمارا غریب ہے۔ لے بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۲ - (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

(۴) سولع - یہ بت بیچ میں نصب تھا اور اس بت کے مجاور بنی لیجان تھے۔ مضر اور ہذیل اور جو لوگ اس کے آس پاس رہتے تھے۔ اس کو پوجتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے ۷

تواہم حول قبلتہم عکوفًا
کما عکفت ہذیل علی سواع

توان کو ان کے قبلہ کے گرد کھڑا دیکھے گا جس طرح ہذیل سواع کے آگے کھڑے ہو کر ڈنڈوت کرتے ہیں ۸

(۵) یغوث - یہ بت سرزمین مین کے ایک ٹیلہ پر نصب تھا۔ مذجج اور اہل جرش اس کو پوجتے تھے۔ ابو عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے یغوث کو دیکھا۔ راگ کا بنا ہوا تھا۔ لوگ اسے اونٹ پر لاوے پھرتے تھے جہاں اونٹ بیٹھ جاتا تھا۔ میں اس کو پوجنے لگتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا پروردگار اس منزل سے خوش ہے ۹

(۶) یعوق - یہ بت قریہ خیوان میں نصب تھا جو صناع سے دو دن کے فاصلہ پر تھا۔ ہمدان اور وہ اہل مین جو اس کے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے ۱۰

(۷) النسر - یہ بت بلخ میں نصب تھا حمیر اور جو اسکے آس پاس رہتے تھے اس کو پوجتے تھے۔ صنعا میں حمیر کا ایک مندر بھی تھا جس کا نام رنام تھا۔ حمیر اس مندر کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اس میں قربانیاں کرتے تھے ۱۱

(۸) مناة - یہ بت مکہ اور مدینے کے درمیان مقام قدیم میں سمندر کے کنارہ پر نصب تھا

رقبہ نوٹ صفحہ ۱۵) اس کے بعد ان سب کی رائے خرافہ کے آزاد کرنے پر متفق ہو گئی۔ اور انہوں نے خرافہ کو آزاد کر دیا ۱۲ خرافہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ سے اس نے یہ حدیث بیان کی ہے کسی معتبر کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خرافہ کی اس حدیث کی نسبت کیا رائے قائم کی۔ لیکن چونکہ خرافہ کی یہ حدیث قیاس سے باہر تھی اس لئے تمام عربوں نے اس کی اس حدیث کی تکذیب کی اور اسے جھٹلایا۔ اور ہر ایک جھوٹی اور نامکن و محال بات کو خرافہ کی طرف منسوب کرنے لگے ۱۳

غالباً اس توضیح و تشریح کے بعد ہمارے ناظرین کو شاعر کے کلام کا مطلب بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ حدیث خرافہ کے صدق و کذب نفس الامری سے تو علام الغیوب ہی خوب واقف ہے۔ لیکن عرب کے اس خیال کو صحیح مان کر کہ حدیث خرافہ واقع میں جھوٹی اور بے اصل ہے۔ اس میں ہم کو ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ اس فلسفی دماغ خفا کا اعتقاد حشر اور بعث بعد الموت کو حدیث خرافہ قرار دینا ضرور حدیث خرافہ ہے۔ اور سچی بات یہ ہے ۱۴

جینا - پھر مرنا۔ پھر اس کے بعد حشر۔ اے ام منظور! یہ نہایت سچا کلام ہے۔

حیوة ثم موت ثم نشر
کلام صادق یا اقم منظور

۱۵ دیکھو تشریحی شرح مقامات حریری جلد اول ص ۶۷ مطبوعہ مصر ۱۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اس کے انہدام اور ان تین درختوں کے کاٹنے کے لئے بھیجا جو وہاں کھڑے تھے۔ خالد بن ولید نے ان درختوں کو کاٹ ڈالا اور عزیٰ کا نام و نشان مٹا دیا۔ ابو المنذر کا بیان ہے کہ قریش اور مکے کے باشندے ایسی تعظیم کسی بت کی نہیں کرتے تھے جیسی عزیٰ کی کرتے تھے۔ عزیٰ ان کا خاص بت تھا جس کی وہ لوگ کثرت سے زیارت کرتے تھے اور اس پرندریں چڑھاتے تھے۔ عزیٰ کے بعد ان کے نزدیک لات کا رتبہ تھا اور اس کے بعد منات کا جس طرح قریش کا خاص بت عزیٰ تھا اسی طرح ثقیف کا خاص بت لات اور اس و خزرج کا منات تھا۔ لیکن یہ سب عزیٰ کی بھی تعظیم کرتے تھے اور اس کی تعظیم پر سب کا اتفاق تھا۔

قریش کے اور بھی چند بت تھے جو خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے گرد نصب تھے جن میں سب سے بڑا ہبل تھا۔

(۱۱) ضماریہ بت مرد اس بن ابی العباس بن مرد اس کا تھا جسے وہ اپنی عمر بھر پوجتا رہا جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹے عباس کو وصیت کی کہ بیٹا ضماریہ کو پوجتے رہنا یہ تجھے نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی۔ اس وصیت کے مطابق عباس نے بھی کچھ دنوں اس کی پرستش کی ایک دن وہ اس کی عبادت میں مصروف تھا کہ یکایک اسکے اندر سے یہ ابیات سنائی دیں۔

قُلْ لِلْقِبْلَتِ لَمَنْ سُلِّمَ كُلُّهُ
أَوْدَىٰ ضَمَارًا وَعَاشَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ
إِنَّ الَّذِي وَرِثَ النَّبُوَّةَ وَالْهُدَىٰ
بَعْدَ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ قُرَيْشٍ مُّحَمَّدٌ
أَوْدَىٰ ضَمَارًا كَانَ يُعْبَدُ صِرَاطًا
قَبْلَ الْكِتَابِ إِلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

اے سننے والے بنی سلیم کے تمام قبائل سے کہہ دے کہ ضماریہ ہلاک ہوا اور مسجد والوں نے زندگی پائی۔ کچھ شک نہیں کہ وہ شخص جو قوم قریش میں سے عیسیٰ بن مریم کے بعد نبوت اور ہدایت کا وارث ہوا ہے سیدھی راہ پر ہے ضماریہ جو خدا کی بنی محمد کی طرف کتاب نازل ہوئی ہے پہلے پوجا جاتا تھا ہلاک ہوا۔

یہ آواز سننے ہی عباس نے ضماریہ میں آگ لگا کر اس کو خاک سیاہ کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

(۱۱۲) جبل یہ بت بھی قریش کا تھا۔ اس کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا اسی لئے اسے جبل خزیمہ کہتے تھے۔ یہ بت انسان کی صورت پر عقیقہ سرخ کا بنا ہوا تھا۔ لیکن اس کا دہنا ہاتھ سونے کا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ جس وقت یہ بت قریش کے ہاتھ لگا تھا اس وقت اس کا دہنا ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کا ہاتھ سونے کا بنا دیا تھا اسی بت کے آگے وہ سات پائے رکھے رہتے تھے جن کو ازلام کہتے تھے۔ ان پائسوں کا ذکر ہم نے ان کے مناسب موقع پر کیا ہے۔ فتح مکہ کے دن خاکعبہ کے تمام بتوں کو آگ لگا دی گئی تھی اس لئے سب بتوں کے ساتھ یہ بت بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔

(۱۱۳) منافع۔ اسی بت کے نام پر عبد مناف نام رکھا گیا۔ اس بت کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ بت کہاں نصب کیا گیا تھا اور اسے کس نے نصب کیا تھا۔

(۱۱۴) ذوالنخلصہ۔ یہ بت سفید پتھر کا بنا ہوا تھا جس پر تاج کی شکل کندہ تھی مکے سے سات دن کے رستے پر مکے اور مدینے کے درمیان نصب تھا اور اس کے اوپر ایک مکان بنا ہوا تھا ختم دوس۔ اور بخیلہ اور جو اس کے آس پاس رہتے تھے اسکو پوجتے تھے۔ اس پر تذریں چڑھاتے تھے۔ جریر بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس مکان کو ڈھا دیا اور اس بت میں آگ لگا دی جس سے وہ بت جل کر خاکستر ہو گیا۔

(۱۱۵) سعد یہ بت ساحل جدہ پر نصب تھا۔ کنانہ کے بیٹوں مالک اور مالکان نے اسے نصب کیا تھا۔ یہ ایک لمبا پتھر تھا۔ اس کے آس پاس کے لوگ اسے پوجتے تھے۔ اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے۔

(۱۱۶) مناة ثانی۔ یہ بت لکڑی کا تھا عمر بن الجموح نے جو قبیلہ بنی سلمہ میں ایک سردار تھے اسے اپنے گھر میں نصب کیا تھا۔ معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرہ وغیرہ صحابہؓ اس کو ہر شب غلاظت میں ڈال دیتے تھے۔ عمرو بن الجموح اسے صبح کو تلاش کر کے ہر روز دھوتے اور خوشبو سے معطر کرتے تھے۔ آخر انہیں خدا نے ہدایت دی اور مسلمان ہو گئے اور اس بت کا قصہ تمام ہو گیا۔

(۱۱۷) ذوالکفین۔ یہ بت بھی قبیلہ دوس کا تھا۔ دوس کے مسلمان ہونے کے بعد طفیل بن عمرو دوسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کو جلا دیا۔

(۱۸) ذوالشریہ بت بنی مارغ بن یشر کا تھا جو قبیلہ ازویں سے تھے۔

(۱۹) قیصر۔ یہ بت مشارف شام میں تھا۔ قزاعہ۔ لخم۔ جذام۔ عاصمہ اور غطفان اسے پہنتے تھے۔

(۲۰) نہم۔ یہ بت قبیلہ مزینہ کا تھا۔ خزاعی بن عبد نہم اس کا مجاور تھا۔ جب اس نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو خدا نے اسے ہدایت دی۔ بت کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا اور یہ شعر پڑھے۔

میں نہم کی طرف گیا تاکہ اس کے پاس قربانی کروں
جیسا کہ میں ہمیشہ کیا کرتا تھا۔

پھر جب میں نے عقل کی طرف رجوع کیا تو اپنے دل
میں سوچا کہ کیا یہ گونگا بے عقل معبود ہو سکتا ہے۔

میں اس بات کو نہیں مانتا۔ آج میرا دین محمد کا دین ہے
آسمان کا معبود بزرگی اور فضل والا ہے۔

ذَهَبْتُ إِلَى لُحْمٍ لَا ذِبْحَ عِنْدَهُ
عَتِيرَةً تُسَكِّ كَالَّذِي كُنْتُ أَفْعَلُ
فَقُلْتُ لِنَفْسِي حَيْثُ رَاجَعْتُ عَقْلَهَا
أَهَذَا إِلَهٌ أَبْكُمْ لَيْسَ يَعْقِلُ
أَبَيْتُ فِدَائِي الْيَوْمَ دِيْنُ مُحَمَّدٍ
إِلَهَ السَّمَاوَاتِ الْمَاجِدِ الْمُتَفَضَّلِ

پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر مشرف باسلام
ہوا اور اپنی قوم مزینہ کے اسلام کا ذمہ لیا۔

اس بت کے نام پر قبیلہ مزینہ کے لوگ اپنا نام عبد نہم رکھتے۔ اس کی تمہیں کھاتے اور
اسکے نام پر قربانیاں کرتے تھے امید بن الاشکر کہتا ہے۔

جب ثوبی اسید کے دو چرواہوں کو بکریوں میں نہم
کی تمہیں کھاتے دیکھے اور ان کے درمیان گوشت
کے پارچے تقسیم ہو رہے ہوں تو تو وہاں سے گزرا چلا
یہ نہ ہو کہ گوشت کی خواہش تجھے وہیں روک لے۔

إِذَا رَأَيْتَ رَاغِبِينَ فِي غَنَمٍ
أَسِيدَ بْنَ جُلْفَانَ بِسَهْمٍ
بَذَاهُمَا أَشْدَاءُ لِحْمٍ مُقْتَسِمٍ
فَامْضِ وَلَا يَأْخُذَكَ بِاللَّحْمِ الْفِرَاقُ

(۲۱) عاتم۔ یہ بت ازو السراۃ کا تھا۔

(۲۲) سعیر۔ یہ بت عنزہ کا تھا۔ وہ اس کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ اور اس کے گرد

طواف کرتے تھے۔

۲۳۱، عَوْض۔ یہ بت بکرین وائل کا تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے

حَكَمْتُ بِمَا بَرَأَتْ حَوْلَ عَوْضٍ
وَأَنْصَابَ تَوَكَّنَ لَدَى السَّعِيرِ

میں ان خونوں کی جو عوض کے گرد بہائے جاتے ہیں۔ اور
ان پتھروں کی جو سعیر کے پاس ہیں مٹم کھاتا ہوں۔

۲۳۲، عُمَيَّانَس۔ یہ بت خولان کا تھا۔ وہ اپنے مویشی اور کھیتی میں ایک حصہ خدا کے نام کا مقرر کرتے تھے اور ایک حصہ اس بت کے نام کا عُمَيَّانَس کے حصہ میں سے اگر کوئی چیز خدا کے حصہ میں مل جاتی تو اس کو نکال لیتے۔ اور اگر خدا کے حصہ میں سے کوئی چیز عُمَيَّانَس کے حصہ میں شامل ہو جاتی تو اس کو نہ نکالتے اسی کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ ذَاتَ نَعَامٍ نَّصِيبًا
فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَّاكِنَا فَإِنْ كَانَتْ
لِشُرَّاكِنَا فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ
يَصِلُ إِلَى شُرَّاكِنَا لَهُمْ سَائِمٌ مِمَّا يَخْلُقُونَ

یعنی انہوں نے خدا کے لئے اس کی پیدا کی ہوئی
کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ مقرر کر دیا اور
اپنے زعم میں خوش ہو گئے اور کہا کہ اللہ کا ہے۔
اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جوان کے شرکاء کا ہے۔

وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ لوگ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں
(۲۵) یعقوب۔ یہ بت جدیدہ طی کا تھا۔

(۲۶) باجر۔ یہ بت ازدا اور بعض بنی طے اور قضاہ کا تھا۔

(۲۷) دوار۔ اس بت کی نسبت ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ یہ بت کہاں نصب تھا اور کس قبیلہ کا تھا لیکن جاہلیت میں منجملہ اور بتوں کے یہ بھی ایک بت تھا عرب جاہلیت اس کی غایت درجہ
کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور مرد و عورت سب اس کا طواف کرتے تھے۔ اس بت کا ذکر امر القیس
نے اپنے سلف میں کیا ہے وہ کہتا ہے کہ

فَعَنَ لَنَا سِرٌّ كَانَتْ نَعَاجُهُ
عَذَارَى دَوَارٍ فِي مَلَأَ مَذِيلِ

ہمیں جنگلی گایوں کا ایک گلہ نظر پڑا جسکی گائیں حسن و لطافت اور
خوبی رفتار میں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ گویا وہ کنواری لڑکیاں
ہیں۔ جو لمبی چوڑی چادروں میں دوار کے گرد طواف کر رہی ہیں۔

سر سید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں لکھا ہے کہ یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا
تھا۔ وہ چند دفعہ اس کے گرد طواف کرتی تھیں۔ اور پھر اس کو پوجتی تھیں۔ مہی اس کا طواف کرتی

تھیں۔ لیکن اس کا کچھ ثبوت نہیں دیا۔ شاید یہ خیال ان کو امر القیس کے اسی شعر سے پیدا ہوا ہو۔
مگر اس شعر سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ یہ بت صرف عورتوں ہی سے مخصوص تھا۔ عرب کی
عورتیں اور مرد ہر ایک بت کو پوجتے تھے امر القیس چونکہ گایوں کو عورتوں ہی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا
تھا اس لئے اس نے عورتوں کا ذکر کیا۔ پس اس سے اس بت کے ساتھ عورتوں کی خصوصیت
نہیں نکلتی۔ لسان العرب وغیرہ کتب لغت کے دیکھنے سے ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ بت
میلوں اور نمائشوں میں نکالا جاتا تھا۔

ان بتوں کے علاوہ مکے کے ہر گھر میں ایک بت تھا جسکو وہ اپنے گھروں میں پوجتے تھے
جب کوئی سفر کو جاتا تو سب سے اخیر کام جو وہ اپنے گھر میں کرتا یہ تھا کہ بت کو ہاتھ لگاتا۔ اور جب
سفر سے واپس آتا اور گھر میں داخل ہوتا تو سب سے اول بت کو ہاتھ لگاتا۔
حائضہ عورتیں نہ بتوں کے قریب جاتی تھیں اور نہ ان کو ہاتھ لگاتی تھیں۔ علیحدہ ایک جانب
کو ان کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں۔

بتوں کی پوجا میں چند امور کئے جاتے تھے ان کو سجدہ کرتے تھے اور خانہ کعبہ کی طرح ان کے
گرد و طواف کرتے تھے ان کو ہاتھ لگاتے تھے اور نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ بوسہ دیتے تھے
ان کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ اور ان کو دودھ اور مکھن اور ہر قسم کی تدریں چڑھاتے تھے
جہاں کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے آقائے بیان کیا کہ مجھے میرے گھر والوں نے دودھ اور مکھن
کا ایک پیالہ دیا اور کہا کہ اسے ہمارے معبودوں پر چڑھا آئیں نے وہ دودھ اور مکھن ان پر
چڑھا دیا۔ اور ان کے ڈر کے مارے خود اسے نہ کھا سکا۔ میں وہیں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک کتا
آیا۔ اس نے وہ تمام مکھن کھا لیا اور دودھ پی لیا۔ پھر بتوں پر پیشاب کر دیا۔ یہ بت اساف
اور نائلہ تھے۔

کلبی کہتا ہے کہ مجھ سے مالک بن حارث نے بیان کیا کہ میں نے دو کا ایک وہ زمانہ دیکھا
کہ مجھے میرا باپ ہمیشہ اس پر دودھ چڑھانے بیٹھا تھا اور کہتا تھا کہ پہلے اپنے خدا کو پلا پھر تو خود
پینا۔ اس کے بعد میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ خالد بن ولید نے اسے توڑ پھوڑ کر پڑہ کر دیا۔

موشیوں کا پہلا بچہ بطور نذر کے بتوں پر چڑھاتے تھے۔ کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور موشیوں کے انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا بتوں کے واسطے اٹھا رکھتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تو خدا کے حصے میں سے اسکو پورا کر دیتے تھے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا۔ تو بتوں کے حصہ میں سے اسکو پورا نہیں کرتے تھے۔

مقررہ بتوں کے علاوہ سفید اور خوبصورت پتھروں اور ریت کے ٹیلوں کو بھی پوجتے تھے۔ لیکن اکثر ایسا سفر میں کرتے تھے جہاں بت نہیں ہوتے تھے۔ ہارون کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کو جاتا تو چار پتھر اپنے ساتھ لے جاتا۔ جہاں مقیم ہوتا تین کا چولہا بنا کر اس پر اپنی ہانڈی پکاتا۔ اور چوتھے کو پوجتا۔ اور جار کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب ہمیں خوبصورت پتھر ملتا تو اسے پوجنے لگتے اور اگر پتھر نہ ملتا تو ریت کا ایک ٹیلہ بناتے اور ایک دودھیل اونٹنی اس کے اوپر کھڑی کرتے۔ پھر اس کی ٹانگیں چیر کر اس ٹیلہ پر دہتے۔ حتیٰ کہ ہم اس ٹیلہ کو دودھ سے خوب تر کر دیتے۔ پھر جب تک ہم اس جگہ اقامت کرتے اس ٹیلہ کو پوجتے رہتے۔

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جاہلیت میں علاوہ صنم یعنی مورثوں اور تصویروں کے سادہ پتھروں کو بھی پوجتے تھے جن پر کوئی تصویر اور نقش نہیں ہوتا تھا۔ ان کو انصاب کہتے تھے۔ غیر مصور اور منقش پتھروں کی عظمت ان کے دل میں ایسی ہی تھی جیسی تصویر دار بتوں کی طبری لکھتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ انصاب یعنی حجر غیر مصور و منقش پر قربانیاں کرتے تھے۔ اب ہم جاہلیت کی ان رسوم کا ذکر کرتے ہیں جو عام طور پر اس زمانہ میں رائج تھیں۔ لیکن ہم رسوم کو عام معنی میں لیتے ہیں جن میں ان کے تخیلات۔ وہمیات خرافات اور ہر قسم کی باتیں شامل ہیں۔

جاہلیت کی عیدیں

جاہلیت کی عیدیں دو قسم کی تھیں۔ زمانی اور مکانی۔ مکانی بہت سی عیدیں تھیں۔ جہاں جہاں ان کے بت نصب تھے۔ وہاں ان کے میلے لگتے تھے اور کثرت سے خلعت

کا ہجوم ہوتا تھا۔ سب سے بڑے بت جن کی زیارت اور پوجا کے لئے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے۔ اور ان کے پاس میلے لگتے تھے اور عیدین منائی جاتی تھیں تین تھے۔ لات عزی منات۔ لات۔ اہل طائف کا تیرہ تھا۔ یہ اہل میں ایک صلح اور نیک آدمی تھا جو موسم حج میں جا کر کوستو گھو لکر پلا کر تا تھا اس کے مرنے کے بعد مدت تک لوگ اس کی قبر کی مجاورت اور پوجا کرتے رہے پھر اس کی تصویر بنا کر اس پر ایک قبہ بنایا اور اس کا نام بیت الربہ رکھا۔ عزی اہل مکہ کا تیرہ تھا۔ یہ بت عرفات کے قریب تھا وہیں ایک درخت بھی تھا جس کے پاس اس کے نام پر قربانی کرتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے فتح مکہ کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اس کے توڑنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے اس کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور اس میں سے جو کچھ مال برآمد ہوا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ اس روز سے عزی کی پرستش موقوف ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اس بت میں سے ایک چڑیل نکلی تھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ منات اہل مدینہ کا بت تھا جس کے لئے وہ احرام باندھتے تھے اور اس کو خدا کا شریک کرتے تھے۔ یہ بت جبل قدید کے متصل تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان سمندر کے کنارہ پر واقع ہے۔ ان تینوں بتوں کے اجتماع کے لئے سال کے خاص خاص موسم مقرر تھے۔ عرب ان کی پوجا اور زیارت کے لئے دور دور سے آتے تھے اور کعبہ کی طرح ان کی تعظیم اور ان کا طواف کرتے تھے۔ ان کے لئے قربانی کے جانور اپنے ساتھ لاتے تھے اور ان کے نام پر فسخ کرتے تھے ان کے لئے حجاور اور خدام بھی مقرر تھے۔ لیکن معہذ ان کو اس بات کا اعتراف تھا کہ کعبہ ان سے افضل ہے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مسجد اور ان کا گھر ہے۔

مین میں قبیلہ نجیلہ اور خثعم کا ایک مندر ذوالخلصہ تھا جس میں چند بت نصب تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ اس مندر کے پاس بھی سال میں ایک ایک میلہ لگتا تھا۔ اور وہ بھی ان کی ایک عید تھی۔ اس روز اس بت کو ہار پہناتے تھے اور اس پر شتر مرغ کے انڈے چڑھاتے تھے اور اس کے پاس قربانی کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جاہلیت میں ایک مندر تھا جس کا نام ذوالخلصہ اور کعبہ یانیہ اور کعبہ شامیہ تھا۔ جناب رسول اللہ نے جریر سے فرمایا کہ

تجھ سے اتنا نہیں ہوتا کہ مجھے ذوالخلصہ سے راحت دے۔ جریر ڈیڑھ سو سواری اپنے ساتھ لیس کر
 وہاں پہنچے اور اس کو توڑ پھوڑ کر اس میں آگ لگا دی۔ اور جو آدمی وہاں موجود تھے ان کو قتل کر دیا
 رسول اللہؐ کو جب انہوں نے اس کی خبر دی۔ تو آپؐ نے اُن کے حق میں دعا خیر فرمائی۔ یہ
 ذوالخلصہ اُس ذوالخلصہ کے سوا تھا جس کو عمرو بن لُحی نے اہل مکہ میں قائم کیا تھا۔
 اہل نجران ایک لمبے درخت کو پوجتے تھے۔ جس کے پاس ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ اور
 عید منائی جاتی تھی۔ جب وہ عید آتی تھی تو اس درخت پر عمدہ عمدہ کپڑے اور عورتوں کے زیور
 لٹکاتے تھے پھر وہاں جمع ہو کر اس کو پوجتے تھے۔ اس درخت کی پوجا موقوف ہونے کا سبب
 یہ ہوا کہ اُس درخت کو ایک عیسائی نے خرید لیا تھا جس کا نام فیموں تھا۔ یہ شخص نجران کے
 شرفاء میں سے تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔ بڑا عابد و زاہد اور صاحب کشف
 و کرامات تھا۔ رات کو اٹھ کر اپنے گھر میں جس میں اس کو اس کے آقاؑ نے رکھا تھا۔ تہجد پڑھنے کھڑا
 ہوتا تو اس کا گھر انوار الہی سے چمک جاتا اور صبح تک نور سے معمور رہتا۔ اتفاقاً کسی روز اس کے
 گھر کی روشنی اور چمک دمک اس کے آقاؑ نے بھی دیکھ لی۔ اور جو کرشمہ اس نے دیکھا اس سے
 اس کو سخت تعجب ہوا۔ اس لئے اُس کے آقاؑ نے یہ خیال کر کے کہ شاید یہ اس کے دین کی برکت
 ہے اس سے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے۔ فیموں نے کہا میں عیسائی ہوں اور تمہارا دین باطل
 ہے۔ یہ درخت جسے تم پوجتے ہو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع۔ اور اگر میں اپنے مالک سے
 جسے میں پوجتا ہوں۔ اس درخت پر بددعا کروں تو وہ اسے ابھی تحس تحس کر دے۔ اور میرا
 مالک وہ اللہ ہے جو اپنی ذات و صفات میں ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ فیموں کی
 یہ تقریر سن کر اس کے آقاؑ نے اس سے کہا کہ اچھا تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ تم نے ایسا کر دیا
 تو ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے اور اپنے دین کو چھوڑ دیں گے۔ فیموں نے وضو
 کر کے دو رکعتیں پڑھیں پھر خدا تعالیٰ سے اُس درخت کے لئے بددعا کی۔ خدا تعالیٰ نے ایک
 ایسی تیز ہوا چلائی جس نے اُس درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اُس وقت سے اہل نجران
 نے عیسائی دین قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے لگے۔ پھر رفتہ
 رفتہ اُن میں وہ بدعتیں بھی آ گئیں جو ادھر ادھر کے عیسائیوں میں رائج تھیں یہ نجران میں

عیسائیت کی ابتدا ہے *

زمانی عیدین اہل مدینہ کی دو تھیں۔ ان دو دونوں میں اہل مدینہ لہو و لعب میں مشغول رہا کرتے تھے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے عید کے لئے تمہارے ان دو دونوں سے بہتر دو دن بدل دیئے۔ وہ دن عید الفطر اور عید الضحیٰ کے ہیں، جاہلیت میں قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ کی عید کا دن یوم السبع تھا جس میں وہ لوگ لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے، اسی طرح ایک قبیلہ کی عید کا دن یوم السباسب تھا۔ اس عید میں جب لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے تو سلام کے ساتھ پھول نذر کرتے تھے نابغہ کہتا ہے

یحمون بالرحمان یوم السباسب سباسب کی عید میں وہ لوگ سلام کے ساتھ پھول
ایک دوسرے کی نذر کرتے ہیں *

جاہلیت کے لوگ اپنے میلوں اور تہواروں میں عمدہ سے عمدہ لباس پہن کر اور پیش قیمت اور بڑھیا چادریں اوڑھ کر نکلتے تھے، سواروں میں گھڑ دوڑ ہوتی تھی اور سخی لوگ جوا کھیلتے تھے، لڑکے چند قسم کے کھیل کھیلتے۔ اور وف اور ستار اور دوتارے وغیرہ باجے بجاتے اور جڑ گاتے اور راگنی میں شعر پڑھتے *

جاہلیت کے جلسے

جاہلیت میں سال میں بہت سے جلسے ہوتے تھے بعض جلسے فقط آپس میں محبت بڑھانے اور تفریح طبع کے لئے ہوتے تھے ان جلسوں میں لوگ اپنے اپنے گزشتہ جنگوں اور

سے ہم کو کسی کتاب سے یوم السبع کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی کتب لغت میں فقط اس قدر لکھا ہے کہ یوم السبع عید کا دن تھا۔ سباسب نصاریٰ کی عید تھی۔ اور یہ شاید ہی عید ہے جبکہ بائبل میں عید فصیح کہا گیا ہے لیکن بلوغ الارب فی احوال العرب کے مصنف نے اس کو مشرکین کی عید کہا ہے۔ اسی لایق مصنف کی تقلید ہم نے کی ہے۔ ورنہ نصاریٰ کی عیدین لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

واقعات کا ذکر کرتے تھے۔ اور اشعار و قصائد پڑھتے تھے۔ اور لطائف ظرائف جن سے طبیعت
 بشاش ہو بیان کرتے تھے۔ اس قسم کے جلسے اکثر رات میں ہوتے تھے جب دل کو استقرار
 و اطمینان ہوتا تھا جب مجلس میں سب لوگ جمع ہو جاتے تو حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے اور حلقہ
 کے بیچ میں قوم کا سردار اور بزرگ بیٹھتا جب کوئی شخص کوئی نیا واقعہ یا کوئی عجیب بات بیان
 کرنی چاہتا تو کھڑا ہو کر کتاب کی طرح لوگوں کو پڑھ کر سناتا جس طرح خطیب اور لکچرار کرتے
 ہیں۔ اور جب کوئی دوسرا شخص اس سے گفتگو کرنا چاہتا تو اس کی اثنائے تقریر میں اس کی
 ڈاڑھی پکڑ لیتا۔ یہ اہل عرب کی عادت قدیمہ تھی کہ مخاطب متکلم کی اثنائے گفتگو میں ڈاڑھی پکڑ
 لیتا تھا۔ یہ اُن کے ہاں شفقت اور محبت کی نشانی تھی۔ یہ جلسے گویا علمی معلومات بڑھانے کی
 غرض سے ہوتے تھے۔ بعض جلسے جنگ اور دوسرے لوگوں پر لوٹ ڈالنے کی تدابیر سوچنے
 اور اس میں مشورہ کرنے کی غرض سے منعقد کئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب تک
 اہل حل و عقد کسی خاص جگہ جمع ہو کر جنگ کے بارہ میں مشورہ نہ کر لیتے اُس وقت تک اُس کا
 نام نہ لیتے جنگ کے مشورہ کے لئے ایک قبہ میں جمع ہوتے تھے تو ہر ایک اپنی رائے ظاہر کرتا
 جس امر پر سب کی رائے قائم ہو جاتی اُس کے مطابق عمل کرتے۔ اور اُس سے کوئی شخص رو
 گردانی نہ کرتا۔

بعض جلسے آپس کے جھگڑے مٹانے اور مقدمات طے کرنے کی غرض سے منعقد
 کئے جاتے تھے۔ ان باتوں کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوتے تھے۔ وہاں جھگڑے اور قصے
 قضائے چمکائے جاتے تھے اور آپس کے مقدمات فیصل کئے جاتے تھے بعض جلسے و عطا
 و نصیحت کی غرض سے منعقد کئے جاتے تھے۔ چنانچہ کعب بن لوی ہفتہ میں ایک دن ہمیشہ
 و عطا و نصیحت کیا کرتے تھے اور تمام قریش اُن کا وعظ سنتے تھے۔ اُن کی نصیحت نہایت عمدہ
 ہوتی تھی۔ صلہ رحمی اور اپنوں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے اور دنیا کی سبے ثباتی اور
 ناپائنداری کا ذکر کرتے تھے پہلے کہتے ہیں کہ جمعہ کا نام جمعہ سب سے پہلے کعب ہی نے رکھا ہے جس
 کی وجہ اُن کے واعظ میں لوگوں کا اجتماع تھا۔ ورنہ اس سے پہلے ہفتہ کے دنوں کے نام
 یہ تھے۔ (الوار، اول رجب، ابون منگل، جبار ربدہ، وبار رجبہرات) مولیٰ رجبہ

عروہ ہفتہ، شکار۔ ایک شاعر نے ان ایام کو نظم کیا ہے کہ

میں زندگی کی امید کرتا ہوں حال آنکہ میرا دن اول ہے یا
اہون۔ یا جبار۔

یا اس کے بعد دوبار اگر اس سے بھی بچ رہا تو پھر مونس یا
عروہ یا شکار ہے۔ یعنی ہفتہ کے انہیں دنوں میں سے کسی

او مل ان اعلیش وان یومی

باول او باہون او جبار

او التالی دبار ان افتہ

فونس فالعروہ او شکار

ایک دن مرجاؤں گا۔

بعض جیسے آپس میں حلف اور عہد و پیمان قائم کرنے کے لئے ہوتے تھے۔ ان جلسوں
میں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کا ظلم اس سے دور کرنے کے لئے آپس میں عہد و پیمان کرتے تھے۔

جاہلیت کے دراہم

جاہلیت میں دو قسم کے درہم رائج تھے۔ بغلیہ اور طبریہ۔ بغلیہ شاہ راس بغل کی طرف منسوب
ہیں ان دھبوں کا وزن آٹھ دانگ تھا۔ طبریہ کا وزن چار دانگ تھا۔ یہ طبریہ شام کی طرف منسوب
ہیں۔ ان میں سے ایک قسم پر فارس کا نقش تھا اور دوسری پر روم کا۔

جاہلیت کا سلام

جاہلیت میں سلام کی جگہ لفظ اَنْعَمَ صَبَاحًا۔ اَنْعَمَ مَسَاءً اور اَنْعَمَ ظِلًا بولا جاتا تھا
جس کے معنی یہ ہیں کہ صبح کو خوش رہو، شام کو خوش رہو، اندھیرے میں خوش رہو، انعم صیفہ واحد
مذکر حاضر ہے۔ اگر مخاطب دو یا دو سے زیادہ اشخاص ہوتے۔ یا عورتیں ہوتیں تو قاعدہ صرف کے
مطابق لفظ اَنْعَمَ کو بدل لیتے یعنی اَنْعَمُوا اور زیادہ کے لئے اَنْعَمُوا واحد مونث کیلئے
اَنْعَمِ۔ اوجع مونث کے لئے اَنْعَمِ کہتے۔ اور لفظ صَبَاحًا مَسَاءً۔ اور ظِلًا بغیر تغیر ہر ایک کے ساتھ
قائم رہتا کبھی لفظ اَنْعَمَ اور اس کے مشتقات مذکورہ کو مختصر کر کے عَمَّ عَمَّا عَمُوا عَمِی عَمْنُ بولتے۔

عامۃ الناس
کا سلام

جذع بن سنان کہتا ہے

اَوَانَارِي قُلْتُ مَنْ اَنْتُمْ
فَقَالُوا الْجَن قُلْتُ عَمَّا صَبَاحًا

وہ میری آگ کے پاس آئے تو میں نے اُن سے پوچھا
کہ تم کون ہو + انہوں نے کہا کہ ہم جن ہیں۔ میں نے کہا تو

صبح کو خوش رہو + سمیر بن عارث ضبّی کہتا ہے

اَوَانَارِي قُلْتُ مَنْ اَنْتُمْ قَالُوا
سِرَّةُ الْجَن قُلْتُ عَمَّا ظَلَامًا

وہ میری آگ کے پاس آئے تو میں نے اُن سے پوچھا
کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم سردار جن ہیں۔ میں

نے کہا تو اندھیرے میں خوش رہو۔

جاہلیت کا یہ سلام بالکل انگریزوں کے سلام کے مطابق تھا جس طرح ان کے ہاں صبح
شام۔ دوپہر۔ اور رات کے لئے علیحدہ علیحدہ سلام ہیں اسی طرح انہوں نے بھی مقرر کر رکھے تھے جاہلیت اور
کے سلام کے معنی بھی ایک ہی ہیں یعنی وہ صبح کو گڈ مارنگ۔ شام کو لڈایونگ۔ اور رات کو
گڈ نائٹ کہتے ہیں جو بعینہ النعم مساءً۔ اور انعم ظلاماً کے ہم معنی ہے + انگریزوں کے ہاں
دوپہر کا سلام گڈ نوون ہے۔ اس لئے جاہلیت میں کوئی لفظ نہیں تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
اہل عرب کے نزدیک دن کے شروع سے لیکر دوپہر تک کا نام صبح ہے۔ اور دوپہر سے
رات تک مساءً ہے۔

شعراے جاہلیت کے کلام میں اگرچہ صبا حاء۔ مساءً اور ظلاماً تینوں لفظ پائے جاتے ہیں
لیکن عام طور پر بغیر کسی وقت کی قید اور پابندی کے لفظ صبا حاء بولا جاتا تھا۔ اس کا استعمال
ہر وقت میں صحیح سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کو دوسرے لفظوں سے فضل اور اعلیٰ خیال کیا جاتا تھا
چنانچہ یہ امر جذع بن سنان کے شعر سے جو اوپر مذکور ہوا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب
رات میں اُس کے پاس جن آئے تو اُس نے انہیں عموماً صبا حاء کہا۔

صبح کی تخصیص اس لئے کرتے تھے کہ صبح دن کا شروع ہے۔ پس اُن کا مطلب اس دعا
سے یہ ہوتا تھا کہ خوشی تمہارے پاس آنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرے۔ جوں ہی تم صبح کو
بستر سے اٹھو۔ خوشی تمہارے پاس فوراً آ موجود ہو۔ اور پھر بطریق استصحاب حال ہمیشہ
تمہارے پاس رہے۔

یہ سلام عامۃ الناس کا تھا۔ لیکن جب بادشاہوں کو سلام کیا جاتا تھا تو انکو یہ الفاظ نہیں کہے جاتے تھے۔ ان کا سلام ابیت اللعن تھا جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کاموں سے بچیو جو لعنت کا موجب ہیں۔

غسل و طہارت

عرب جاہلیت نہایت صاف اور ستھرے رہتے تھے۔ طہارت کے پورے پابند تھے۔ ان کی طہارت میں وہ دس فطری باتیں تھیں جن میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا۔ ان دس باتوں میں سے پانچ سر کے متعلق ہیں اور پانچ تمام جسم کے۔ جو باتیں سر کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں۔ کلی کرنا۔ منہ دھونے وقت ناک میں پانی دینا۔ لبیں کتروانا۔ سر میں مانگ نکالنا اور مسواک کرنا جسم کے متعلق پانچ باتیں یہ ہیں۔ ہستی کرنا۔ ناخن ترشوانا۔ بغلوں کے بال اکھاڑنا۔ استر لینا۔ اور ختنہ کرنا۔ اسلام نے ان باتوں کو قائم رکھا اور منجمد سنن اسلام کے قرار دیا۔ حدیثوں میں تفصیل ان کا ذکر موجود ہے۔ ان باتوں کے عرب جاہلیت ہمیشہ پابند رہتے تھے۔ اس کے علاوہ غسل جنابت کے بھی پابند تھے۔ عورت سے ہم بستر ہونیکے بعد اور احتلام سے غسل کرتے تھے۔

عرب جاہلیت حالت حیض میں عورتوں کو اپنے بستروں سے علیحدہ کر دیتے تھے۔ اور اُن سے اجتناب کرنے میں حد درجہ کا مبالغہ کرتے تھے۔ نہ اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ نہ پانی پیتے تھے۔ اور نہ ایک گھر میں رہتے تھے۔ اُن کا ایسا کرنا ان کی کمال نظافت کی دلیل ہو۔ یہ طریق شاید انہوں نے یہودیوں سے لیا ہو۔ کیونکہ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی حائضہ عورت کو غایت درجہ کا نجس خیال کرتے تھے اور اُس کے برتن علیحدہ کر دیتے تھے۔ نہ کھانے پینے میں اُن کو اپنے ساتھ شریک کرتے تھے۔ اور نہ ایک گھر میں اُن کے ساتھ رہتے تھے خیر کچھ ہی ہو جاہلیت کا یہ طریق چنداں معیوب نہ تھا۔ کیونکہ اس سے اُن کی کمال نظافت و طہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ان کا یہ عمل تو ریت کے مطابق ہے۔ لیکن بڑا تعجب یہ ہے کہ حیض

کی حالت میں وہ لوگ عورتوں سے خلافت وضع فطری کارروائی کرتے تھے جس سے انکی ساری طہارت و نظافت خاک میں مل جاتی ہے۔ ان کے اس فعل شنیع کے ثبوت میں دو تین روایتیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھی ہیں۔ ہم کو ان روایتوں کی صحت پر یقین نہیں آتا۔ اہل عرب کی صفائی پسند طبیعتیں اس ناپاک فعل کو کیونکر گوارا کر سکتی ہیں؟ وہ اس پانی سے کہیں زیادہ پاک و صاف تھے۔ جو ابھی آسمان سے اتر رہا ہو۔ اور ہنوز زمین پر نہ گرا ہو۔ شاید یہ روایتیں غلط ہوں۔ اور اگر حدثنہ تحقیق و تدقیق سے ان کو دیکھا جائے تو یقیناً غلط ثابت ہونگی۔ ہم اس موقع پر ان روایات سے بحث کرنا غیر ضروری جانتے ہیں۔ فقط اجمالی اشارہ کافی ہے۔

نماز

بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہلیت میں نماز کا بھی دستور تھا۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ابو ذرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پیشتر تین برس تک نماز پڑھی ہے۔ اس پر ان کے شاگرد نے اُن سے پوچھا کہ منہ کس طرف کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا منہ کس طرف کرتا تھا جس طرف خدا پھیر دیتا تھا اسی طرف کر لیتا تھا۔

جاہلیت کی نماز مسلمانوں کی نماز کے مشابہ تھی۔ فرقہ صابئین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دن رات میں مسلمانوں کی طرح پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے ان باتوں سے پایا جاتا ہے کہ جاہلیت میں فی الجملہ نماز کا وجود تھا گو اس کا عام رواج نہ تھا۔ اور عرب کے اکثر لوگوں نے اس کو ضائع کر دیا تھا۔

روزے

جس طرح مسلمانوں میں رمضان کا مہینہ متبرک گنا جاتا ہے۔ اور روزوں کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح جاہلیت میں رجب کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل شمار کیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس مہینے میں روزے رکھتے تھے اور غلہ اور خوردنی چیزیں خریدتے تھے

اور اپنے بیوی بچوں کے رزق میں فراخی کرتے تھے۔ اس مہینے میں گشت و قتال اور غزیری حرام تھی۔ اسی مہینے میں سفر کرتے تھے اور بعض بعض کی طرف سے مامون اور بے خوف ہو جاتے تھے۔ لوٹ مار اور جنگ کی طرف سے کسی کو کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ خصوصاً رجب کے پہلے دن کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اگر دو شخصوں کے درمیان عداوت ہوتی تھی تو وہ اس متبرک مہینے میں آپس میں صلح کر لیتے تھے۔

رجب کے علاوہ جاہلیت میں دسویں محرم یعنی عاشورہ کے روزہ روزہ رکھنے کا عام رواج تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پیشتر مطابق رسم جاہلیت کے اس دن روزہ رکھتے تھے ان کے اس دن روزہ رکھنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دن ان کے ہاں متبرک گنا جاتا تھا۔ اس لئے وہ اس دن کی تعظیم کرتے تھے اس میں روزہ رکھتے تھے۔ اور کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ قریش نے جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تھا جس پر انہیں سخت ندامت ہوئی۔ اس پر کسی نے ان سے کہا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو اس سے تمہارے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ قریش نے گناہ کے کفارہ میں روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ ایک مرتبہ جاہلیت میں قحط سخت پڑا تھا رجب وہ دور ہو گیا۔ تو لوگوں نے یہ روزہ کسی پہلی شریعت سے لیا تھا۔

ہمارے خیال میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ جاہلیت کے لوگوں میں اس روزہ کا خیال یہودیوں سے پیدا ہوا۔ کیونکہ وہ اس روزہ روزہ رکھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ اس روزہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمن پر فتح دی تھی۔ اور اس کو غرق کیا تھا اس کے شکر یہ میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا تھا۔ ہم اس امر میں موسیٰ کا اتباع کرتے ہیں اور ان کے فتیاب ہونے کی خوشی مناتے ہیں۔

غرض کچھ ہی وجہ ہو جاہلیت میں یہ روزہ رکھا جاتا تھا۔ اور جاہلیت کے لوگ اس روزہ کو واجب جانتے تھے۔ اسلام میں اس روزہ کی بابت علماء نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بالکل منسوخ ہو گیا اور بعض کا یہ خیال ہے کہ صرف فرضیت منسوخ ہوئی ہے

افضلیت اب بھی باقی ہے۔

اعتکاف

جاہلیت میں اعتکاف بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حدیثوں میں اس کی جا بجا تصریح ہے۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ خاموش اعتکاف بھی کرتے تھے یعنی جتنے دنوں اعتکاف میں رہتے کسی سے کلام نہ کرتے۔

حج اور عمرہ

جاہلیت کے لوگ حج اور عمرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے حج اور عمرہ میں وہ تمام ارکان و اعمال شامل تھے جو آج مسلمانوں میں رائج ہیں حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھتے تھے اور اس میں تلبیہ کہتے تھے، خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے۔ حجر اسود کا بوسہ لیتے تھے۔ یا اس کو ہاتھ لگاتے تھے بہت مرتبہ صفامروہ کے درمیان سعی کرتے تھے اور باستثناء قریش تمام عرب جملہ مواقع میں کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن انہوں نے حج میں اپنی طرف سے چند بدعتیں نکال لی تھیں۔ ہم ان کی بدعتوں کو علیہ علیہ بیان کرتے ہیں اس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ ان کا حج اور عمرہ مسلمانوں کے حج اور عمرہ سے کن کن باتوں میں مختلف تھا۔ اور اسلام نے ان کی کن کن امور میں صلاح کی۔

احرام۔ اس میں کئی بدعتیں نکالی تھیں۔ ابو حجاز سے روایت ہے کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھتا تو بالوں کا ایک ہار اپنے گلے میں ڈال لیتا اس کے سبب سے کوئی اسے قسم کی تکلیف نہ دیتا۔ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتا تو اذخر کا ہار پہن لیتا۔ احرام باندھنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتا تو دروازہ سے داخل نہ ہوتا۔ بلکہ پچھیت کی دیوار میں نقب لگا کر داخل ہوتا۔ یا سیڑھی لگا کر چھت پر چڑھتا اور چھت پھوڑ کر اندر داخل ہوتا۔ اس طریق کا رواج زیادہ تر انصار میں تھا۔ قریش میں یہ

دستور نہیں تھا جس یعنی قریش کو پیر اور مکھن کھانا اور صوف کے خیمہ میں رہنا جائز تھا۔ اس حکم کے مکلف خاص قریش ہی تھے اور انہوں نے ہی یہ انوکھا طریق ایجاد کیا تھا۔ وہ جب تک حرم رہتے چمڑوں کے خیموں میں رہتے چمڑے کے خیموں کے سوا اور کسی چیز کے سایہ میں نہ بیٹھتے۔ کیونکہ ان کی چیز کے سایہ میں بیٹھنا ان کے نزدیک خلاف احرام تھا۔

قریش نے یہ بھی فتویٰ دیا کہ جو لوگ حدود حرم سے باہر کے رہنے والے ہیں وہ جب حج یا عمرہ کے لئے حرم میں آئیں تو انہیں وہ کھانا کھانا درست نہیں ہے۔ جو بیرون حرم سے اپنے ساتھ حرم میں لائیں ان کے اس فتوے کو تمام عرب نے قبول کر لیا اور وہ کھانا کھانا جسے بیرون حرم کے حاجی اپنے ساتھ لائے ہوں خلاف احرام سمجھا گیا۔

تلبیہ۔ جاہلیت کے تلبیہ کے وہی الفاظ تھے جو مسلمانوں کے تلبیہ کے ہیں۔ لیکن وہ اس میں بعض الفاظ شرک کے بھی ملا دیتے تھے۔ ان کے تلبیہ کے یہ الفاظ ہوتے تھے۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا
شَرِيحٌ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَتْ

یعنی اے اللہ ہم تیری خدمت کے لئے ہر وقت موجود ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے فقط ایک شریک ہے سو وہ بھی تیرا

ہی ہے۔ تو اس کا مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں۔

وقوف عرفات۔ جس طرح مسلمان عرفات میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جاہلیت میں بھی باستثناء قریش تمام عرب عرفات میں کھڑے ہوتے تھے لیکن قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ جب سب لوگ عرفات میں کھڑے ہوتے تھے وہ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے انہیں جو لوگ مقتدا اور پیشوا تھے۔ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہتے تھے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور مکے کے رہنے والے اور خانہ کعبہ کے ستولی ہو۔ تمہاری عزت سب سے زیادہ ہے اور جو حقوق تمہارے ہیں وہ کسی عربی کے نہیں۔ تمام عرب جس قدر تمہاری تعظیم و تکریم کرتے ہیں اس قدر تعظیم و تکریم ان کی نہیں کرتے۔ غرض تمہارے رتبہ کا کوئی شخص نہیں۔ اس لئے تم کو مناسب ہے کہ جو مقامات حدود حرم سے باہر ہیں تم ان کی ایسی تعظیم نہ کرو جیسی حرم کی کرتے ہو۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم عرب کی آنکھوں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ وہ کہیں گے کہ یہ حل اور حرم دونوں کی تعظیم برابر کرتے ہیں۔

اس مغرورانہ خیال کی بنا پر قریش نے عرفات میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ لیکن معہذا وہ اس بات کے مقرر تھے کہ وقوف عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جانا ارکان حج اور دین ابراہیم علیہ السلام میں سے ہے۔ اسی لئے وہ اپنے سوا تمام عرب کو وقوف عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جانے کا حکم دیتے تھے۔ لیکن اپنے اعراب میں فرق آنے کے خوف سے خود عرفات میں نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم خاص حرم کے رہنے والے ہو۔ اس لئے ہمیں مناسب نہیں ہے کہ حرم سے باہر نکلیں اور حرم و حل دونوں کی یکساں تعظیم کریں۔ کیونکہ ہم لوگ جس یعنی حرم کے باشندے ہیں، خدا تعالیٰ نے جس یعنی قریش کے اس لغو اور بیہودہ خیال کی تردید فرمائی اور حکم دیا کہ

يَعْنِي لَيْسَ تَرِيشُ جِهًا سَبَّ لَوْ كَزْدَلْفَةٍ كَوَلُوتُهُ هِيَ۔
 تَرِيشُ جِهًا سَبَّ لَوْ كَزْدَلْفَةٍ كَوَلُوتُهُ هِيَ۔
 آفَاضَ النَّاسُ

طواف۔ اس میں یہ بدعت نکالی کہ سنگے طواف کرتے تھے۔ قریش نے حرم سے باہر رہنے والے لوگوں کو یہ فتویٰ دیا کہ جب باہر کے لوگ مکے میں داخل ہوں تو خانہ کعبہ کا پہلا طواف جسے طواف قدوم کہتے ہیں جس کے کپڑے پہن کر کریں۔ کیونکہ جس کے کپڑوں کے سوا اور کپڑا میں خانہ کعبہ کا پہلا طواف درست نہیں ہے اگر انہیں جس کے کپڑے نہ ملیں تو سنگے طواف کریں۔ لیکن اگر کوئی مرد یا عورت ذی عرت ہو اور اسے جس کے کپڑے نہ ملیں تو اسے جائزہ بچہ وہ اپنے انہیں کپڑوں میں طواف کرے جو اپنے ساتھ حل سے لایا ہے۔ لیکن طواف سے فارغ ہونے کے بعد انگوٹھا لکڑی پھینکے پھر بھی ان کپڑوں سے فائدہ اٹھائے۔ وہ کپڑے جہاں اس نے پھینکے ہوں ہمیشہ وہیں پڑے رہیں ان کو بھی کوئی ہاتھ نہ لگائے نہ کپڑوں والا اور نہ کوئی اور ان کپڑوں کا نام اہل عرب نے تقارر کیا تھا بغرض قریش نے عرب کو جو باتیں سکھلائیں عرب نے ان کو دین میں داخل کر لیا۔

وہ لوگ وقوف عرفات کرتے پھر وہاں سے مزدلفہ جاتے اور سنگے طواف کرتے عورتیں جب طواف کرتیں اپنے تمام کپڑے اتار دالتیں اور شرمگاہ پر ایک دھجی یا پھینوٹ رکھ لیتیں

۱۔ قریش کا یہ فتویٰ بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ میں لکھا ہے۔ لیکن ابن جریر میں لکھا ہے کہ جو لوگ سنگے طواف کرتے تھے وہ یوں کہتے تھے کہ جس طرح ہم اپنی ماؤں کے پیٹ سے سنگے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ہم سنگے ہی طواف بھی کرتے ہیں۔

پھر طواف کرتیں اور یوں کہتیں ۛ

اليوم يبدو بعضه اوكله
وما بدامنه فلا احده

یعنی آج میرا سارا بدن یا اس کا کوئی حصہ کھل جائیگا۔ لیکن جو اس
میں سے کھل جائے میں اُس کا دیکھنا کسی کے لئے حلال

نہیں کرتی ۛ

غرض تمام لوگ ننگے طواف کرتے تھے جو شخص اپنے اُن کپڑوں میں جو حل سے اپنے ہمراہ
لاتا تھا طواف کرتا تھا۔ وہ اُن کو طواف سے فارغ ہونے کے بعد پھینک دیتا تھا۔ پھر کوئی اُن
کپڑوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ نہ خود کپڑوں والا۔ اور نہ کوئی اور۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی ان
بیہودہ باتوں کی تردید فرمائی اور یہ حکم نازل فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِينَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي
آخَرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ
هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
خَالِصَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفْصَلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

اے بنی آدم ہر مسجد کے پاس اپنی زینت (کپڑے،
اپنے ساتھ رکھو۔ اور خوب کھاؤ پیو۔ ہاں فضول
خرچی نہ کرو۔ کیونکہ خدا فضول خرچیوں کو دوست
نہیں رکھتا۔ اے بنی کہہ کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینت
کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے۔
اور پاک روزیوں کو کس نے حرام کیا؟ کہہ کہ وہ تو
دنیا کی زندگی میں مومنوں کے لئے ہیں۔ اور قیامت

کے دن خاص انہیں کو ملیں گی۔ جاننے والوں کے لئے ہم یوں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان
کرتے ہیں ۛ

طواف کرتے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجانا بھی احکام حج میں داخل تھا۔ اُن کا قول تھا کہ
جب تک ہم کعبے کے گرد سیٹی نہ بجائیں اور مگائر کی طرح منہ سے آواز نہ نکالیں ہمارا حج پورا
نہیں ہو سکتا۔

ۛ۔ دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۱۱۱ جلد ۱ اور یونع الارب فی احوال العرب ص ۳۲ جلد ۲ ۛ

ۛ۔ قمری یا فاضلہ کی طرح کا ایک پرندہ ہے جو باغوں میں رہتا ہے۔

ۛ۔ بحکم البلدان جلد ہشتم تحقیق لفظ مکہ۔

قرآن مجید میں سورہ انفال کی اس آیت میں

یعنی خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں اور تالیاں
بجانے کے ان کی نماز ہی کیا ہے؟

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
أَرْوَ مَكَاءً وَتَصَدِيقَةً

اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

حج خاموش

جاہلیت میں حج کی ایک اور قسم تھی جس کو حج مُصَمِّتٌ یعنی خاموش حج کہتے تھے۔ اس حج میں شروع احرام سے آخر تک کلام کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا احرام باندھنے کے بعد آدمی گونگوں کی طرح چپ چاپ ہو جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس کو بڑا ثواب جانتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک عورت کو جس کا نام زینب بنت المہاجر تھا دیکھا کہ بالکل چپ چاپ اور خاموش ہے۔ کسی سے بات نہیں کرتی، آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس عورت کی یہ حالت کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس نے حج مُصَمِّتٌ کی نیت کی ہے۔ اب جب تک یہ جملہ ارکان حج سے فارغ نہ ہوئے اس وقت تک کسی سے بات نہیں کر سکتی، آپ اس کے قریب گئے اور فرمایا کہ کلام کر۔ یہ فعل حلال نہیں ہے۔ یہ عمل جاہلیت میں سے ہے۔ اُس نے آپ کا یہ فتویٰ سنکر آپ سے کلام کیا اور بس لغو بات کی نیت کی تھی اُس کا ارادہ فسخ کر دیا۔

عمرہ جاہلیت کے لوگ غیر اشہر حج میں کرتے تھے۔ اشہر حج میں عمرہ کرنا اُن کے نزدیک فحشاء میں داخل تھا۔ اُن کا یہ قول تھا کہ

یعنی جب حج کے اونٹوں کی لگی ہوئی پیٹھ اچھی ہو جائے اور حاجیوں کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اُس وقت عمرہ کرنے والے کے لئے

إِذَا بَرِئَ الدَّابُّ وَبَحِنَى الْأَنْثَى
حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنْ ارْتَمَى

عمرہ کرنا حلال ہے۔

جاہلیت کے لوگ خانہ کعبہ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اور اُس میں گشت و قتال اور خونریزی کرنا حرام جانتے تھے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کی ہے۔ کہ عرب کے سوا

تمام ملکوں میں بادشاہ ہوتے تھے جن کی وجہ سے کوئی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔ ان کا قانون ظالم کو ظلم سے روکتا تھا۔ اور مظلوم کی فریاد رسی کرتا تھا۔ لیکن عرب میں ایسے بادشاہ نہ تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے عربوں کے لئے کعبہ کو قیام گاہ بنایا۔ اس میں لوگ امن پاتے تھے۔ اور کوئی کسی کو نہ ستا سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ میں اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو اس کو بھی خانہ کعبہ کی حرمت کے خیال سے قتل نہیں کر سکتا تھا۔

جاہلیت کے لوگ اشہر حرم کی بھی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ان دنوں میں لوٹ مار بند کر دیتے اور اپنے نیزوں کی بھالیں اتار رکھتے۔ بے خوف و خطر تجارت کرتے اور اپنی روزی کما تے اور ہر طرح سے مطمئن رہتے۔ ان دنوں کی حرمت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے چلی آتی تھی۔ لیکن بعض اوقات ان ہمینوں کو دوسرے ہمینوں سے بدل لیتے تھے اور حرم کا نام صفر رکھ دیتے تھے۔ اس کا ذکر نبی کے بیان میں مفصل آئیگا۔

۱۔ خانہ کعبہ کج اور اس کا احترام کچھ اہل عرب ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ اہل فارس بھی ہمیشہ اس پر گھر کا ج کرتے۔ اور اس کی زیارت موجب ثواب جانتے تھے چنانچہ شاہان اکاسرہ کے جد اعلیٰ ساسان بن بابک نے حج کیا اور اس کے بعد اس کی قوم میں اس کا رواج رہا۔ ایک فارسی شاعر اس کا ذکر اس طرح پر کرتا ہے۔

وما زلتا فی البیت قدما
ونلقی بالاحرام آمینا
وساسان بن بابک سارحتی
اتی البیت العتیق یا صیدینا
وطاف بہ ذمزم عند بئر
المنعیل تردی الشاربینا
ہم ہمیشہ خانہ کعبہ کا حج کرتے اور امن و امان
سے بظاہر میں ڈیرے ڈالتے رہے ہیں ساسان
بن بابک اپنے سرداروں کو ساتھ لیکر خانہ کعبہ
پہنچا اس کا طواف کیا اور حضرت اسماعیل کے
کنوئیں پر جو پینے والوں کو سیراب کرتا ہے
خدا کی تعریف کا راگ گایا۔

اس سے قرآن کریم کی حقانیت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ فرمایا تھا اس کو پورا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

واذن فی الناس بالحق یا توک و جالا
وعلی کل ضامر یا یتن من کل فج عتیق
ہر ایک دور و دراز راہ سے چلی آ رہی ہوں گی۔ آ موجود ہوں گے۔
اے ابراہیم لوگوں میں حج کی منادی کرو۔ وہ
تیرے پاس پیدل اور نیز و بلی اور نشیوں پر جو

نکاح

عرب جاہلیت میں نکاح آٹھ قسم کا تھا

۱۔ نکاح عام۔ اس نکاح کی صورت آجکل کے نکاح سے جو مسلمانوں میں رائج ہے ملتی جلتی تھی۔ جاہلیت کے شرفار میں اکثر اسی نکاح کا رواج تھا اور یہ نکاح اور نکاحوں سے بہتر خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا طریق یہ تھا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے اسکی بیٹی یا اس عورت کی جو اس کی ولایت میں ہوتی منگنی کی درخواست کرتا۔ اور اس کا ہر مقرر کرتا جب وہ شخص منگنی منظور کر لیتا تو ہر کی معین مقدار پر جس کا اس مجلس میں ذکر ہو جاتا اس کے ساتھ عقد کرتا منگنی کی درخواست عورت کے باپ یا بھائی یا چچا یا چچا زاد بھائیوں سے کرتے تھے۔ خا طب جب منگنی کی درخواست کرتا تو عورت کے باپ یا ولی سے کہتا کہ خدا کرے تم ہر صبح خوش رہو۔ پھر کہتا کہ ہم تمہارے جوڑ گوت اور ذات برادری کے ہیں۔ اگر تم ہم سے اپنی بیٹی بیاہ دو تو ہماری خوشی پوری ہو جائے گی۔ اور ہم تمہارے ہو جائیں گے اور تمہاری تعریف کرتے ہوئے ہم تمہاری فرزندگی میں داخل ہوں گے۔ اور اگر کسی علت کی وجہ سے جس کو ہم بھی جانتے ہوں تم ہمیں محروم لوٹاؤ گے۔ تو ہم تم کو معذور سمجھ کر لوٹ جائیں گے۔ اگر عورت کی قوم سے خا طب کی قرابت قریبہ ہوتی اور اس کی منگنی منظور ہو کر اس کے ساتھ عقد ہو جاتا تو رخصت کے وقت لڑکی کا باپ یا بھائی لڑکی سے کہتا کہ خدا کرے جب تو اہس کے پاس جائے۔ تو عیش و آرام سے رہے۔ اور لڑکے جننے نہ لڑکیاں۔ خدا تجھ سے کثیر التعداد اور عزت والے اشخاص پیدا کرے اور تیری نسل ہمیشہ قائم رہے اپنا خلق عمدہ رکھنا اور اپنے شوہر کی عزت اور تعظیم کرنا۔ اور پانی کو خوشبو سمجھنا۔

اگر عورت کسی اجنبی اور پردیسی سے بیاہی جاتی تو اس کا باپ یا بھائی اس سے کہتا کہ خدا کرے نہ تو عیش و آرام میں رہے اور نہ لڑکے جننے کیونکہ تو اجنبیوں سے قریب ہوگی اور دشمنوں کو جننے گی اپنا خلق عمدہ رکھنا اور اپنے شوہر کے عزیز و اقارب کی نظر میں پیاری بنی رہنا کیونکہ ان کی آنکھیں

تیری طرف اٹھی ہوتی ہوں گی اور ان کے کان تیری طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ اور پانی کو خوشبو سمجھنا۔

قریش اور عرب کے اکثر قبائل میں یہی نکاح رائج تھا اور اکثر شریف اور خاندانی لوگ اسی نکاح کو پسند کرتے تھے۔

۲۔ استبضاع۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جاتی تو اس کا شوہر اس سے کہتا کہ فلاں شخص کو اپنے پاس بلوائے۔ اور اس سے ہم بستر ہوتا کہ اس سے حاملہ ہو جائے۔ وہ عورت اس شخص کو بلواتی اور اس کے ساتھ ہم بستر ہوتی، اس عرصہ میں اس کا شوہر اس سے علیحدہ رہتا اور جب تک اس عورت کو اس شخص سے حمل ظاہر نہ ہوتا جس سے اس نے استبضاع چاہا تھا شوہر اس کو ہاتھ نہ لگاتا جب اس سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا اس وقت اس کا شوہر جب اس کا جی چاہتا اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا۔ استبضاع ان سرداروں اور رؤسار کے ساتھ کراتے تھے جو فحشا عت یا سخاوت وغیرہ اوصاف میں مشہور ہوتے تھے اور یہ اس لئے کرتے تھے کہ بچہ نجیب و شریف پیدا ہو۔ کیونکہ عمدہ نر کے پانی سے عمدہ ہی اولاد ہوتی ہے۔ گویا اکابر اور شرفاء سے تخم لینے کا نام استبضاع تھا۔ آریوں کا نیوگ اور یہ صورت ایک قسم کی ہے حیض سے پاک ہونے کے بعد اس لئے کرتے تھے تاکہ اس عورت کو حمل رہ جائے کیونکہ اس وقت نطفہ کا ٹھیرنا زیادہ یقینی ہے۔

۳۔ نکاح کی ایک اور قسم چند آدمی مل کر جو دس سے کم ہوتے عورت کے پاس جاتے اور نوبت بہ نوبت اس سے ہم بستر ہوتے۔ یہ کام عورت کی رضا مندی اور آپس کے اتفاق سے کرتے۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی اور مدت مقررہ کے بعد بچہ جنمی۔ اور بچہ پیدا ہوئے چند دن گزر جاتے تو ان سب کو اپنے پاس بلواتی۔ وہ سب اس کے پاس جمع ہو جاتے کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اس کے پاس آنے سے انکار کرے۔ جب وہ اس پاس جمع ہو جاتے۔ تو ان سے کہتی کہ تینے جو میرے ساتھ کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اب میں نے یہ بچا جنسا ہے۔ سو ابے فلاں یہ تیرا بیٹا ہے۔ عورت جس کو چاہتی اس کا نام لے دیتی اور وہ اس کا بیٹا قرار پا جاتا۔ وہ شخص اس کے

۱۔ بلوغ العرب فی احوال العرب۔

قبول کرنے سے انکار نہ کر سکتا۔ یہ اس وقت ہوتا تھا جب بچہ لڑکا ہوتا۔ اور اگر لڑکی ہوتی تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی کہ کسی کی بیٹی قرار دی جائے کیونکہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔
۴۔ نکاح کی ایک اور قسم بہت سے آدمی جمع ہو کر عورت کے پاس چلتے وہ کسی کو جو اس کے پاس آتا منع نہ کرتی۔ یہ فاحشہ عورتیں تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں کھڑی کرتی تھیں۔ یہ جھنڈیاں اس بات کی نشانی ہوتی تھیں کہ جو ان کے پاس آنا چاہے چلا آئے۔ کسی کو مانعت نہیں ہے۔ ان میں سے جب کوئی عورت کسی سے حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنم لیتی۔ تو سب اس کے پاس جمع ہوتے اور ایک قیافہ شناس کو بلاتے۔ اور قیافہ شناس بچہ کو جس کے مشابہ پاتا اس کا بیٹا قرار دیتا۔ عورت بچہ اس کو دے دیتی اور وہ اس کا بیٹا کہلانے لگتا۔ مرد اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا جاہلیت میں اپنے دروازوں پر جھنڈیاں کھڑی کرنے والی عورتوں میں سے ہشام بن الکلبی نے کتاب مثالب میں دس سے زیادہ مشہور عورتوں کے نام بیان کئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک عورت ام منزل تھی جو جاہلیت میں زنا کرتی تھی۔ اسلام کے زمانہ میں بعض صحابہ نے اس سے نکاح کرنا چاہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ یعنی زانیہ عورت سے نکاح کرنا زانی یا مشرک کا کام ہے۔

۵۔ نکاح الخدن۔ اس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے حُصْنَاتٍ غَيْرِ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ

خدن کے معنی یارانے کے ہیں یعنی مخفی طور پر کسی عورت سے یار نہ کرنا زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ جو نکاح چھپا کر کیا جائے اس میں مضائقہ نہیں ہے لیکن جو نکاح ظاہر ہو وہ منحوس ہو۔
۶۔ نکاح متعہ۔ متعہ کی یہ صورت تھی کہ عورت سے ایک مدت معینہ کے لئے نکاح کرتے تھے

جب مدت ختم ہو جاتی تھی تو زوجین کے درمیان خود بخود فرقت واقع ہو جاتی تھی۔

۷۔ نکاح البدل۔ اس کی یہ صورت تھی کہ ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا تھا کہ تو میرے لئے

اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا میں تیرے لئے اپنی عورت سے علیحدہ ہوتا ہوں۔ اس طرح پر وہ آپس

میں ایک دوسرے سے اپنی بیویاں بدل لیتے تھے۔ اور یہ ان کے نزدیک نکاح تھا۔

۸۔ نکاح شغار۔ اس کی یہ صورت تھی کہ آدمی اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی یا کسی اور عزیز کو اس

شرط پر کسی کیتھا بیاہ دیتا کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی یا کسی اور عزیز کو اس کے ساتھ بیاہ دے۔ ان دونوں نکاحوں میں مہر کسی کا مقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ یہ آپس کا تبادلہ یعنی ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہوتا تھا۔ ہندوستان میں اسکو آٹا سائی کہتے ہیں لیکن یہاں دونوں نکاحوں میں مہر بھی ہوتا ہے۔ جاہلیت میں سوائے تبادلہ کے مہر کچھ نہیں ہوتا تھا پہلے

اہل جاہلیت۔ ماں بیٹی۔ خالہ۔ پھوپھی۔ بہن۔ بھانجی۔ بھتیجی۔ اور ان تمام عورتوں سے نکاح نہیں کرتے تھے جن سے شریعت اسلام میں نکاح کرنا حرام ہے۔ ان رشتہ دار عورتوں کو خواہ وہ نسبی ہوتیں یا رضاعی نکاح میں لانا حرام جانتے۔ خصوصاً قریش اس بارہ میں سب سے زیادہ حیا اور غیرت والے تھے وہ ان ارحام قریبہ کی حرمت کا پورا پورا پاس و لحاظ رکھتے تھے

۱۔ معجم البلدان جلد رابع مطبوعہ بیروت کے صفحہ ۴۲۵ پر لفظ زلیح کی تحقیق میں لکھا ہے کہ بلاد حبش اور بلاد رنج کے درمیان سوڈانی مسلمانوں کی ایک قوم آباد ہے۔ اس قوم میں نکاح کا یہ ایک عجیب طریق ہے کہ جب ان میں سے کسی شخص کو کسی غیر کفو کی کوڑی پسند آ جاتی ہے۔ اور وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ تو وہ اس لڑکی کے باپ کی گایوں کے ریوڑ میں چلا جاتا ہے۔ اور کسی گیا بہن گائے کی دم کے کچھ بال کاٹ کر چراگاہ میں ڈال دیتا ہو پھر کسی مرد کی شرم گاہ کے کاٹنے کی تلاش میں وہاں سے بھاگتا ہے۔ جب چرواہا شام کو گائیں لیکر گھر واپس آتا ہو تو وہ اس واقعہ کی خبر اس لڑکی کے باپ یا اس کے ولی کو دیتا ہے۔ یہ خبر سنکر لڑکی والے اس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اگر وہ ان کے ہاتھ آ گیا تو وہ اسے قتل کر کے اس کا قصہ ہی پاک کر دیتے ہیں۔ ورنہ وہ اپنے کام میں سرگرم رہتا ہے۔ اگر اس کے کسی مرد کی شرم گاہ کے لاسے سے پہلے ہی گائے نے بچہ دیدیا۔ تو اس کا مطلب فوت ہو گیا۔ پھر وہ کبھی اپنی قوم کو منہ نہیں دکھاتا ہمیشہ جنگلوں اور سیلابوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور ایسا گنہگار ہو جاتا ہے کہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہے کیونکہ اگر وہ ان کے پاس آئے تو وہ اسے قتل کر دیں۔ لیکن اگر وہ گائے کے بچہ دینے سے پہلے ہی کسی مرد کی شرم گاہ کاٹ کر ان کے پاس لے آیا تو وہ اس لڑکی کا مانگ اور حق دار بن گیا۔ اور ان کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ وہ اسے محروم کر دیں۔ خواہ وہ لڑکی کسی قبیلے اور خاندان کی کیوں نہ ہو۔

مکن ہے کہ اس کی کچھ صہلیت ہو لیکن اس قوم کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ بیان کرنے والے کا منشا اس سے مسلمانوں کو بدنام کرنا معلوم ہوتا ہے۔ یا قوت حموی خود ان لوگوں سے نہیں ملا اور نہ اس ملک میں گیا یعنی سائی ایک بات نکمدی ہے چنانچہ وہ خود والد اعلم کہہ کر شک ظاہر کرتا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں جو عورتیں محرمات میں داخل ہیں جاہلیت میں ان میں سے صرف دو صورتیں مستثنیٰ تھیں۔ اول یہ کہ وہ لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ اس کو میت کا ترکہ تصور کرتے تھے۔ باپ کی بیوی کا سب سے زیادہ مستحق اس کا بیٹا خیال کیا جاتا تھا۔ اگر وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تو بے تامل کر لیتا۔ کوئی عیب نہ تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں ایسے بے شمار نکاح ہوئے ہیں جو لوگ اس قسم کا نکاح کرتے تھے ان کو ضیون کہا جاتا تھا۔ بنی قیس بن ثعلبہ میں سے تین بھائیوں نے یکے بعد دیگر اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا۔ اس بن حجر تمیمی ان کو ان کے اس فعل پر عار دلاتا ہے۔

فکیہہ سے ہم بستر ہو اور اس کے قبۃ کے گرد چکر لگاؤ تم سب اپنے باپ کے ضیون سلف ہو۔

يَنْكُحُوْا فَلَیْھِمْہٗ وَاَمْشُوْا حَوْلَ قُبَّتِھَا
فَلَکُمْ لَا بَیْہٖ ضِیُوْنٌ سَلَفٌ

اگر میت کا بڑا بیٹا اس کی بیوی سے نکاح کرنا نہ چاہتا تو اس کے چھوٹے بھائی کر لیتے۔ اور اگر وہ بھی نہ چاہتے تو میت کا اور کوئی قریبی رشتہ دار کر لیتا۔ اس میں عورت کی رضا مندی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ میت کا ترکہ تھی جو کوئی اس پر اپنا کپڑا وال دیتا وہی اس کے نکاح کا مالک ہو جاتا۔ جاہلیت میں اس نکاح کو نکاح محقق کہتے تھے۔ اور جو اولاد اس سے پیدا ہوتی تھی اس کو مقفی۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اس نکاح کو حرام فرمایا۔ اور اس کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی

یعنی جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا یہ نکاح کرنا بیجا فی اور خدا کے غضب کا باعث ہے۔

وَلَا تَنْکُحُوْا مَا لَکُمْ اَبَاؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ
اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّہٗ كَانَ فَاْحِشًا
وَمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِيْلًا

دوسری صورت جو شریعت اسلام کے خلاف تھی۔ یہ تھی کہ وہ لوگ نکاح میں دو سگی بہنوں کو ایک وقت میں جمع کر لیتے تھے اس میں بھی ان کے نزدیک کوئی عیب نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو بھی ان جمعوہ ابین الاختین نازل فرما کر حرام فرمایا۔ یعنی تم پر دو بہنوں کا ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد معین نہ تھی۔ مرد بہت عورتوں سے چاہتا تھا۔ عورتیں بھی بہت سے چاہتی تھیں۔

لہٰذا دیکھو بلوغ اللارب فی احوال العرب قبلہم۔ لہٰذا دیکھو نفسہم فی حرمہم قبلہم۔

جب قیس بن حارث مسلمان ہوئے۔ تو اُس وقت اُن کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں اور غیلان بن سلمہ ثقفی کے اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار نکاحوں کی اجازت دی اور اس سے زیادہ کی مانعت کر دی۔

ولائم

(یعنی شادی غمی کے کھانے)

ولائم جمع ولیمہ کی ہے۔ ولیمہ وہ کھانا ہے جو شادی غمی کی کسی تقریب پر دیا جاتا ہے لفظ ولم سے مشتق ہے۔ جسکے معنی جمع ہونے کے ہیں چونکہ اس کے کھانے کو محلہ اور برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔ امام شافعی اور شوافع کہتے ہیں کہ ولیمہ کا اطلاق ہر اُس دعوت پر کیا جاتا ہے جو نکاح یا ختنوں وغیرہ خوشی میں کی جائے۔ لیکن جب مطلق لفظ ولیمہ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نکاح کا کھانا ہوتا ہے۔ غیر نکاح میں اس کو مقید کر کے بولتے ہیں۔ یعنی جس تقریب کا ولیمہ ہوتا ہے اس کی طرف مضاف کر دیتے ہیں مثلاً ختنوں کے ولیمہ ختان کہتے ہیں۔

جاہلیت میں مختلف تقریروں پر سولہ ولیمہ کرتے تھے۔ اور ہر ولیمہ ایک خاص نام سے موسوم تھا۔ ان ولیموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) آخرس۔ یہ کھانا بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کے دروزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگوں کو جس قدر خوشی بچہ پیدا ہونے کی ہوتی تھی اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ عورت کے دروزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی ہوتی تھی اسی لئے وہ بچہ پیدا ہونے کی تقریب پر علیحدہ علیحدہ دو کھانے دیتے تھے۔ ایک عورت کے دروزہ کی تکلیف سے رہائی پانے کی خوشی میں اور دوسرا بچہ کے پیدا ہونے کی خوشی میں۔

عورت کے
دروزہ کی
تکلیف سے
رہائی پانے کی
تقریب

(۲) حقیقہ۔ یہ کھانا بچہ پیدا ہونے کی خوشی کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ اور اس کیلئے بچہ کی پیدائش کا ساتواں دن مقرر تھا۔ حقیقہ میں ایک بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈوا کر اس بکری کے خون کا لیپ کرتے تھے۔ اسی دن بچہ کا نام بھی رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ بچہ کے سر پر خون کا لیپ کرنا موقوف کیا اور اس کی بجائے زعفران کا لیپ مقرر کیا۔

حقیقہ

(۳) اعذار۔ یہ کھانا ختنوں کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہے۔
 (۴) ذوالخداق۔ یہ کھانا اس وقت دیا جاتا تھا جب لڑکا کمالات عرب مثلاً شناری
 تیراندازی۔ شاعری وغیرہ امور میں ماہر ہو جاتا تھا۔

جاہلیت میں سب سے بڑی خوشی کسی شخص کے فن شعر گوئی میں کامل و ماہر ہو جاتا۔ اور عمدہ شعر
 کہنے لگتا۔ تو تمام قبائل اکٹھے ہوتے اور اس قبیلہ کو مبارکباد دیتے۔ اس قبیلہ کے تمام آدمی خوش
 ہوتے اور عید مناتے۔ بیاہ شادی کی طرح عورتیں جمع ہو کر گیت گاتیں۔ لہو و لعب میں مشغول ہوتیں
 اور انواع و اقسام کے کھیل۔ تماشے کرتیں۔ بغیر اور عمدہ کھانے پکے اور دوسرے قبائل کو کھلائے
 جاتے۔ اور وہ تمام دن خوشی میں گزرتا۔

جاہلیت کے لوگ فقط تین چیزوں کی مبارکباد دیتے تھے۔ لڑکا پیدا ہونے کی گھوڑی کے
 بچھیر دینے کی کسی قبیلہ میں کسی شخص کے فن شعر گوئی میں ماہر ہو جانے کی ان تین چیزوں کے سوا
 ان کے ہاں اور کسی چیز کی مبارکباد دینے کا دستور نہ تھا۔

غرض اس تقریب یا اس قسم کی اور تقریبوں پر جو کھانا دیا جاتا تھا وہ ذوالخداق کہلاتا تھا
 مسلمان یہ کھانا فقط ختم قرآن کی خوشی میں دیتے ہیں اور انہوں نے اس کا نام نشرہ رکھا ہے۔
 (۵) ملاک۔ یہ کھانا منگنی کی تقریب پر دیا جاتا تھا۔ ملاک دراصل منگنی کی تقریب ہی کا نام ہے۔
 اس میں جو کھانا دیا جاتا تھا اس کا نام شندخ ہے۔

(۶) ولیمہ العرس۔ یہ کھانا زن و شوہر کے اکٹھے ہونے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔ اب عام طور پر ولیمہ العرس
 ولیمہ اسی کھانے کو کہتے ہیں۔ اسلام میں یہ کھانا دینا مسنون ہے۔
 (۷) وضیمہ۔ یہ کھانا میت کے گھر والوں کو دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اسے بھتی کہتے ہیں۔
 یہ کھانا دینا بھی اسلام میں مسنون ہے۔

بھتی کے کھانے کے علاوہ جاہلیت میں غمی کی تقریب میں چھ ضیافتیں اور کی جاتی تھیں
 جن کی تفصیل یہ ہے۔ میت کے انتقال سے تیسرے۔ نویں۔ پندرہویں چالیسویں دن اور
 میت کے انتقال کو چھ ہفتے اور برس گزرنے پر ان ضیافتوں میں تمام اہل محلہ اور برادری کے

لوگ شامل ہوتے تھے لیکن ان عورتوں کی سب سے زیادہ خاطر تواضع کی جاتی تھی جو میت پر نوحہ کرنے کے لئے اجرت پر رکھی جاتی تھیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں جو تیجے۔ دسویں۔ بیسویں۔ چہلم۔ ششماہی۔ اور ہری کا رواج ہے۔ اس کا۔ ماخذ جاہلیت کی یہی رسوم ہیں۔

(۸) وکیرہ۔ یہ کھانا نیا مکان بنانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔

(۹) عقیقہ۔ یہ کھانا رجب کا چاند دیکھنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔

(۱۰) تحفہ۔ یہ وہ کھانا ہے جو ملاقاتیوں اور ملنے والوں کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔

(۱۱) شندخ۔ یہ کھانا اس وقت دیا جاتا تھا جب کسی کو اس کی کھوئی ہوئی چیز مل جاتی تھی۔

(۱۲) نقیعہ۔ یہ کھانا سفر سے صبح و سالم واپس آنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔

(۱۳) قمری۔ یہ وہ کھانا ہے جو مہانوں کو کھلایا جاتا تھا۔

(۱۴) مادہ۔ یہ وہ کھانا ہے جو فیاضی کے طور پر بغیر کسی سبب کے کھلاتے تھے۔

(۱۵) حفلی۔ یہ وہ کھانا ہے جس میں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ بلکہ یہ دعوت عام ہوتی تھی اور

دوست و دشمن اس کھانے میں ہر کوئی شریک ہو سکتا تھا۔

(۱۶) نقمری۔ یہ دعوت خاص تھی جس کے لئے خاص خاص لوگوں کو بلایا جاتا تھا۔

طلاق

جاہلیت میں طلاق تین قسم کی تھی۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ثقہ اور معتبر اہل علم کی زبان سے سنا ہے کہ اہل جاہلیت تین طرح پر طلاق دیتے تھے۔ بذریعہ ظہار کے بذریعہ ایلاء کے اور بذریعہ طلاق کے سو طلاق کو تو خدا تعالیٰ نے ثابت رکھا اور ایلاء اور ظہار میں وہ فیصلہ کیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

جاہلیت کے ایلاء کی نسبت طبرانی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جاہلیت میں ایک سال

سنة صناعۃ الطرب فی تقدّمات العرب مولفہ نوفل احمدی مطبوعہ بیروت ص ۱۷۰

نیا مکان بنانے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔
رجب کا چاند دیکھنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔
ملاقات کی نعمت پر دیا جاتا تھا۔
سفر سے صبح و سالم واپس آنے کی خوشی میں دیا جاتا تھا۔
مہانوں کو کھلایا جاتا تھا۔
فیاضی کے طور پر بغیر کسی سبب کے کھلاتے تھے۔
دعوت عام ہوتی تھی اور دوست و دشمن اس کھانے میں ہر کوئی شریک ہو سکتا تھا۔
دعوت خاص تھی جس کے لئے خاص خاص لوگوں کو بلایا جاتا تھا۔

اور دو سال کا ایلا کیا کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے ایلا کے کل چار مہینے مقرر کئے جو چار مہینے سے کم کا ہو وہ ایلا نہیں ہے۔

جاہلیت میں مختلف اوقات میں تین طلاقیں دیتے تھے۔ یہ طریقہ بعینہ اسلام کا طریقہ ہے اس طریق کی بنیاد سب سے پہلے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام نے ڈالی تھی۔ پھر ان کے بعد اہل عرب نے اس پر عمل کیا چنانچہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو خط ایک طلاق دیتا۔ اور لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ شوہر اس کا حق دار سمجھا جاتا۔ جب پوری تین طلاقیں دے چکنا۔ اس وقت عورت اس سے بالکل علیحدہ ہو جاتی۔ اور شوہر کا اس پر کچھ اختیار باقی نہ رہتا۔

یہ طریق کسی طرح قابل ملامت نہیں ہے لیکن جاہلیت میں اس میں یہ خرابی واقع ہو گئی تھی کہ اہل جاہلیت عورتوں کو طلاق دیتے جب ان کی عدت گزرنے کا زمانہ قریب ہوتا اور ایک دو دن باقی رہ جاتے اس وقت ان سے رجعت کر لیتے۔ نہ اس غرض سے کہ انہیں ان کے ساتھ محبت یا ان کی حاجت ہوتی تھی۔ بلکہ اس غرض سے کہ انہیں نقصان پہنچے اور عدت طویل ہو جائے۔ اور نکاح ثانی کے لئے زمانہ وراثت تک انتظار کرنا پڑے۔

ان کی یہ بھی شرارت تھی کہ اپنی عورتوں کو طلاق دیتے یا نکاح کرتے یا اپنا غلام آزاد کر دیتے اور کہتے کہ ہم نے مذاق کیا تھا۔ شریعت اسلام نے ان دونوں باتوں کو باطل کیا۔ پہلے امر کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَمْسِكُوهُنَّ
لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کے قریب ہو تو اس کے بعد انہیں خوبی کے ساتھ روکو یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دو۔

ضرر اور نقصان پہنچانے کی غرض سے انہیں نہ روکو اور جو انہیں نقصان پہنچانے کی غرض سے روکے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔

دوسری بات کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے باطل کیا اور فرمایا کہ نکاح کا انعقاد اور طلاق رجعت کا وہ وقت ہر حالت میں ہو جاتا ہے خواہ انسان دل سے ان کے

مترحب ہو یا مذاق میں۔ مذاقاً ان باتوں کو کرنا ایسا ہی ہے جیسے دل سے کرنا ہے

طلاق کے باب میں زمانہ جاہلیت کے بعض عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ جس طرح خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا اختیار رکھتے تھے۔ اسی طرح بیویاں بھی اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کی مجاز تھیں۔ بیویوں کے اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کا طریق یہ تھا کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر اسے طلاق دینا چاہتی تو جس خیمے میں وہ رہتی اس کے دروازے کو بدل دیتی۔ یعنی اگر خیمے کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو اسے مغرب کی طرف۔ اور اگر مغرب کی طرف ہوتا تو اسے مشرق کی طرف پھیر دیتی۔ اسی طرح اگر خیمے کا رخ جنوب کی طرف ہوتا تو اسی شمال کی طرف اور شمال کی طرف ہوتا تو اسے جنوب کی طرف بدل دیتی پس کے ایسا کرنے سے اس کے خاوند پر طلاق پڑ جاتی۔ اور خاوند جب خیمے کا رخ بدلا ہوا دیکھتا تو سمجھ جاتا کہ اس کی بیوی نے اسے طلاق دیدی۔ پھر اس کے پاس نہ جاتا اور دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے

جاہلیت میں عورتیں خلع بھی کراتی تھیں۔ خلع کے یہ معنی ہیں کہ عورت شوہر کو کچھ مال دیکر اس سے اپنا پیچھا چھڑا لیتی تھی یہ بھی ایک قسم کی طلاق ہی تھی۔ اس میں اور طلاق میں فقط یہ فرق ہے کہ طلاق شوہر خود اپنی مرضی سے دیتا ہے اور خلع میں مال کی عوض عورت اسے طلاق مانگتی ہے۔ خلع کا موجد عامر بن ظرب ہے جس کا مختصر حال یہ ہے کہ عامر بن ظرب نے اپنی بیٹی اپنے بھتیجے عامر بن حارث بن ظرب سے بیاہ دی تھی۔ نکاح کے بعد جب دلہن دو لہا کے پاس بھیجی گئی۔ تو دلہن کو دو لہا کی صورت دیکھ کر اس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اس نے اس کا لہر اپنے باپ سے کیا۔ باپ نے کہا کہ اگر تو اس سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے۔ تو وہ مال جو اس نے تجھے مہر میں دیا ہے اسے واپس کرے۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ تیرے شوہر سے بھی تجھے چھڑوا دوں اور اس کا مال بھی تیرے پاس رہے۔ پھر اس کے شوہر سے کہا کہ جو مال تو نے اسے دیا تھا۔ وہ میں اسے واپس کراؤں دیتا ہوں تو اسے چھوڑ دے۔ یہ سب پہلا خلع ہے جو عرب میں واقع ہوا ہے

۱۔ بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۲۔ ۲۔ صناعۃ الطرب فی تقدّمات العرب مؤلفہ نوفل آفندی ص ۶۵

مطبوعہ بیروت ۳۔ بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۲۔

عدت

جاہلیت میں طلاق اور موت کی عدت بھی مقرر تھی۔ مطلقہ کی عدت کی تعداد ہم کو معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن وفات کی عدت ایک سال تھی جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ ایک چھوٹے سے تنگ گھر میں جس کی چھت نیچی ہوتی۔ نہایت خراب اور میلے کچیلے کپڑے پہن کر بیٹھ جاتی۔ سال بھر تک اس میں بیٹھی رہتی۔ اس عرصہ میں نہ نہانی نہ کپڑے بدلتی۔ نہ ناخن کاٹتی۔ نہ خوشبو لگاتی۔ غرض رینیت اور آرائش کی کسی بات کے پاس نہ پھٹکتی۔ جب پورا سال گزر جاتا اس وقت اُس کے پاس کوئی جانور گھایا بکری۔ یا کوئی پرند لایا جاتا۔ اس کے ساتھ وہ اپنی عدت توڑتی۔ یعنی اس جانور یا پرند کے جسم کے کسی حصہ سے اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اُس کی کمر پر ہاتھ پھیرتی۔ پھر بری صورت سے باہر نکلتی۔ اور اُس کے ہاتھ میں چند خشک مینگنیاں دی جاتیں جنکو وہ کسی کتے کے اوپر یا اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتی۔ اور ایسا کرنے کے بعد عدت سے باہر ہو جاتی پھر خوشبو لگاتی۔ اور جن باتوں کی اس کو مانعت تھی وہ اُس کو مباح ہو جاتیں اور اس کے بعد جس قسم کا بناؤ سنگار چاہی کرتی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب وہ پرند پر اپنی شرم گاہ رگڑ کر اُس کو باہر پھینکتی تھی تو پرند مر جاتا تھا۔

قتل اور ضرب شدید کی سزا

جاہلیت میں قتل اور ضرب شدید کی سزائیں مقرر تھیں۔ قصاص یا دیت ان دونوں سزائوں میں قصاص مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اول تو اُس زمانہ میں عام طور پر یہ مقولہ رائج تھا القتل القی للقتل یعنی قتل کو قتل ہی روک سکتا ہے دوسرے مقتول کے اولیاء قاتل سے بغیر قصاص سے باز نہیں رہتے تھے۔ اُن کے ہاں ویت کا قبول کرنا موجب تنگ و غار سمجھا جاتا تھا اور ویت کا لکھنا یا مقتول کے خون کھانے کی بربر خیال کیا جاتا تھا چنانچہ اس بارہ میں شعراء جاہلیت کے اشعار اُن کے وعاد میں بکثرت موجود ہیں۔ لیکن جھوٹی کے وقت ویت بھی قبول کر لی جاتی تھی۔ مثلاً قتل نظامیہ بغیر ویت

سے دیکھو مسلم شریف +

قبول کرنے کے چارہ نہ تھا۔ یا اگر خود مقتول اپنی عالی حوصلگی سے قاتل کو اپنا خون معاف کر دیتا تو اُس صورت میں بھی حکام یا اولیاء مقتول قصاص پر زور نہیں دے سکتے تھے نا چار دیت ہی قبول کرنی پڑتی تھی، قصاص میں تاہم کان مساوات ملحوظ رکھی جاتی تھی یعنی جس کیفیت اور جس آلہ سے قاتل مقتول کو مارتا تھا۔ اسی کیفیت اور اسی آلہ سے وہ اُس کے قصاص میں قتل کیا جاتا تھا جرح یعنی ضرب شدید میں بھی مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ جرح کا جو عضو بیکار ہو جاتا تھا وہی عضو جرح کا بیکار کیا جاتا تھا۔

قتل میں عامۃ الناس کی دیت کے سوا ونٹ مقرر تھے۔ لیکن بادشاہ اس عام قانون سے مستثنیٰ تھے۔ اُن کی دیت کے ہزار ونٹ تھے، اس قانون میں اگرچہ بادشاہوں کو عام رعایا پر فوقیت دی گئی تھی۔ لیکن تاہم اُس کو خلاف انصاف نہیں کہہ سکتے۔ حق یہ ہے کہ بادشاہ کا خون عام رعایا کے خون کی برابر نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ بہت سی باتوں میں رعایا سے ممتاز ہوتے ہیں اگر رعایا میں اور اُن میں کچھ بھی فرق نہ ہوتا تو خدا انہیں بادشاہ ہی کیوں بناتا؟

قِصَامَت

قتل کے فیصلہ کا ایک طریق قِصَامَت تھا جس کا یہ معنی ہے کہ جب قاتل معلوم نہ ہوتا۔ تو اس محلہ یا گاؤں کے پچاس آدمیوں سے جہاں مقتول پایا جاتا۔ رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان اس بات پر قسم لیتے کہ نہ ہم نے مقتول کو مارا اور نہ ہمیں اُس کے قاتل کا حال معلوم ہے۔ اسی طرح اگر کسی قبیلہ کے کسی ایک یا چند آدمیوں پر قتل کا شبہ ہوتا تو اُس قبیلہ کے پچاس آدمیوں سے رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم لیتے کہ نہ ہم نے اُسے مارا۔ اور نہ ہمارے آدمی نے اور نہ ہمیں اُس کے قاتل کا حال معلوم ہے۔ جب وہ پچاس آدمی اس بات پر قسم کھا جاتے تو انہیں مقتول کے قصاص اور خونبہا سے بری کر دیا جاتا۔ یہ نہیں نہایت سخت ہوتی تھیں۔ اور اور اس تجویز کے نکالنے والے ابو طالب تھے۔

جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک ہاشمی کو قریش کے کسی دوسرے قبیلہ کے ایک آدمی نے جس کا

نام خدائے تھا۔ اپنے اونٹوں کی خدمت پر نوکر رکھا۔ اور اونٹوں سمیت اس کو اپنے ساتھ کہیں
 باہر لے گیا۔ وہ سفر میں اُس کے اونٹوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اونٹوں کو کھولنا۔ باندھنا سب اسی
 کے ذمہ تھا۔ اتفاقاً ایک دن اثناء سفر میں اُس کے پاس سے قبیلہ بنی ہاشم کا ایک اور شخص گزرا۔
 جس کی گون کا لٹمہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے اس سے بڑی منت و سماجت سے کہا کہ میرے حال
 پر اتنی مہربانی کرو کہ مجھے ایک اونٹ کا پیکٹر ا دیدو۔ تاکہ میں اس سے اپنی گون سی لوں۔ اس نے
 اس کو ایک اونٹ کا پیکٹر ا دیدیا۔ جس سے اس نے اپنی گون سی لی۔ اور وہ اپنا کام پورا کر کے
 وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جب رات ہوئی اور خدائے اور اس کا نوکر کسی منزل پر ٹھہرے تو نوکر نے
 تمام اونٹوں کو باندھ دیا۔ لیکن ایک اونٹ کھلا رہا۔ خدائے نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ اونٹ
 کیوں نہیں باندھا۔ اُس نے کہا کہ اس کا پیکٹر انہیں ہے۔ خدائے نے کہا اس کا پیکٹر کہاں گیا
 اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ میرے پاس بنی ہاشم میں سے ایک آدمی گزرا تھا۔ جس کی گون
 کا لٹمہ ٹوٹ گیا تھا۔ اُس نے مجھ سے ایک پیکٹر لے کا سوال کیا تھا۔ میں نے اسے پیکٹر ا دیدیا۔ اس
 پر مالک نے اُس کے ایک لاشی رسید کی۔ جس کے صدقہ سے وہ چند گھنٹے یا ایک دو دن کے
 بعد مر گیا۔ مرنے سے پیشتر ایک یعنی آدمی اُس کے پاس سے گزرا۔ اس نے اُس سے پوچھا کہ تو
 حج کو جایا کرتا ہے؟ یعنی نے کہا کہ اب تو میں نہیں جاتا لیکن بہت دفعہ گیا ہوں۔ اُس نے کہا تو
 تو اپنی عمر بھر میں میرا ایک پیغام پہنچا سکتا ہے؟ یعنی نے کہا کیوں نہیں۔ میں تیرا پیغام ضرور پہنچا دوں گا۔
 اُس نے اُس کو یہ وصیت نامہ لکھ دیا کہ جب توج میں جائے۔ تو بلند آواز سے قریش قریش کہہ کر
 پکارنا۔ جب قریش تیرے پاس جمع ہو جائیں۔ اور تجھے جواب دیں تو پھر بنی ہاشم کو پکارنا۔ جب وہ
 تجھے جواب دیں تو تو ابو طالب کو پوچھنا۔ جب تجھے ابو طالب کا پتہ چل جائے تو میری طرف سے
 اُس سے کہنا کہ مجھے فلاں شخص نے پیکٹر لے کی وجہ سے قتل کر دیا ہے۔ غرض یعنی کو یہ وصیت
 کر کے وہ نوکر مر گیا۔ جب اُس کا آقا کے واپس آیا تو ابو طالب اُس سے ملنے گئے اور پوچھا کہ
 ہمارا آدمی کیا ہوا اُس نے کہا وہ بیمار ہو گیا تھا۔ میں نے اُس کی بہت خدمت کی لیکن اسے
 شفاء نہ ہوئی۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اسے دفن کر دیا۔ ابو طالب نے کہا تم اسی لائق تھے۔ غرض
 بنی ہاشم نے اُس کے قول کی تصدیق کی۔ اور انہیں اس کی طرف سے یہ گمان نہ ہوا کہ وہ شخص

جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا پھر ایک مدت کے بعد وہ اپنی شخص جس سے اس نے
 اپنا پیغام پہنچانے کی وصیت کی تھی سچ میں آیا۔ اُس نے وصیت کے مطابق یا قریش یا قریش
 کے مکر پکارا۔ قریش نے کہا کہ ہم قریش ہیں کہ کیا کہتا ہے۔ اُس نے بنی ہاشم کو پکارا بنی ہاشم نے
 کہا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اُس نے کہا تم میں ابو طالب کون ہے۔ لوگوں نے ابو طالب کی طرف
 اشارہ کر کے کہا کہ یہ ابو طالب ہیں۔ اُس نے کہا مجھے فلاں شخص نے وصیت کی تھی کہ میں
 آپ کو یہ پیغام پہنچا دوں۔ کہ اُس کو فلاں شخص نے پیکھڑے کی وجہ سے قتل کر دیا یہ سنکر
 ابو طالب خدش کے پاس گئے اور اُس سے کہا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تو نے ہمارے فلاں
 آدمی کو قتل کیا ہے۔ سو ہم تجھ پر تین باتیں پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے تو کوئی سی سی ایک
 بات اختیار کر لے۔ اگر تو دیت دینا پسند کرے تو ہمیں اس کی دیت کے سوا ونٹ دیدے
 کیونکہ تو نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے۔ ورنہ تیری قوم کے پچاس آدمی اس بات پر حلف
 اٹھالیں کہ تو نے اسے قتل نہیں کیا۔ اگر ان دونوں باتوں سے تو انکار کرے گا تو تیسری بات
 یہ ہے کہ ہم اُس کے قصاص میں تجھے قتل کر دیں گے۔ اس نے اس کا ذکر اپنی قوم کے لوگوں
 سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ تو کچھ اندیشہ نہ کر۔ ہم قسم کھاتے لیتے ہیں جب وہ قسم کھانے پر مستعد
 ہو گئے تو ابو طالب کے پاس بنی ہاشم میں کی ایک عورت آئی جو اس دوسرے قبیلے کے ایک
 آدمی عبدالعزیٰ بن ابی قیس عاسری سے بیاہی گئی تھی اُس کے بطن سے عبدالعزیٰ کے ایک
 لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام حویطب تھا۔ اُس عورت نے ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب
 میں چاہتی ہوں کہ تم ان پچاس آدمیوں میں سے میرے اس بیٹے پر نہر بانی کرو اور رکن اور
 مقام ابراہیم کے درمیان جہاں اور لوگوں سے نہیں لی جاتی ہیں۔ اس سے قسم نہ لو ابو طالب
 نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اور اسے قسم کھانے سے بری کر دیا۔ پھر ابو طالب نے
 پاس اس قبیلے کا ایک اور آدمی آیا اور کہا کہ اے ابو طالب آپ نے سوا ونٹوں کی جگہ پچاس
 آدمیوں کو قسم کھلانے کا ارادہ کیا ہے سو اس حساب سے ہر قسم کے بدلے دوا ونٹ ہو۔ انڈا
 یہ دوا ونٹ موجود ہیں۔ انہیں میری طرف سے قبول کیجئے۔ اور مجھے قسم سے بری کیجئے۔ ابو طالب
 نے اس کی طرف سے وہ دوا ونٹ قبول کر لئے اور اسے بھی قسم سے بری کر دیا۔ اور اٹھائیس

آدمیوں نے رکن اور مقام کے درمیان یہ قسم کھائی کہ خدائے مقول کے خون سے بری ہے
ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بخدا پورا ایک سال گزرنے نہیں پایا تھا کہ ان اڑتالیس آدمیوں میں
سے ایک بھی زندہ نہیں رہا۔ سال کے اندر اندر سب مر گئے۔

زنا چوری۔ اور رہبری کی سزا

جاہلیت میں چوری کی سزا چور کا دہنا ہاتھ کاٹنا تھی۔ رہبروں کو مین اور حیرہ کے
بادشاہ سولی دیتے تھے۔ زانی محسن اور زانیہ محسنہ یعنی بیاہے ہوئے مرد اور بیاہی ہوئی
عورت کو زنا کی سزائیں سنگسار کیا جاتا تھا۔ زنا کی سزائیں جاہلیت کے لوگ حد سے بڑھ
گئے تھے۔ بعض اوقات جانوروں کو بھی زنا کی سزائیں سنگسار کر دیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن
میمون کہتے ہیں کہ جاہلیت میں ہم نے ایک بندر کو ایک بندری سے جفنی کرتے دیکھا۔ لوگوں
نے گرہ لکھو دکر ان دونوں کو سنگسار کیا۔ ان کے سنگسار کرنے میں بھی ان کے ساتھ
شریک تھا۔

یہ اہل جاہلیت کی کمال حماقت و سفاہت تھی۔ وہ اتنا نہیں جانتے تھے کہ جانور جو کسی
قسم کی عقل و تمیز نہیں رکھتے غیر مکلف ہیں۔ اور ان میں زنا متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس
سے اس بات کا پتا بخوبی چلتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ زنا کو نہایت فحش خیال کرتے تھے۔

میراث

جاہلیت میں میت کے ترکے کی مالک اس کی وہ اولاد ذکر ہوتی تھی جو دشمن کا مقابلہ
کر سکتی تھی۔ عورتیں۔ لڑکیاں۔ اور نابالغ لڑکے جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ میراث
سے محروم رہتے تھے۔

۱۔ بلوغ الارب فی احوال العرب ۲۔ سنن بخاری شریف ۳۔ تفسیر ابن جریر ص ۱۷۱ جلد ۴

جاہلیت میں تنبیہ کی رسم بھی شائع تھی۔ بنی لڑکا اپنے والدین کی جانناؤ کا ویسا ہی مقدار اور وارث خیال کیا جاتا تھا جیسا صلیبی بیٹا۔ اور اس کی بیوی سنگے بیٹے کی بیوی کی طرح اس کے باپ پر حرام تھی۔

جاہلیت میں غنٹی کے مسائل وہی تھے۔ جواب اسلام میں ہیں۔ غنٹی کے بارہ میں وہ لوگ مہال کا اعتبار کرتے تھے۔ یعنی جس راہ سے اس کو پیشاب آتا تھا اسی کے مطابق اسکو مرد یا عورت قرار دیتے تھے۔

عام عادات

اہل جاہلیت اگرچہ فی الجملہ میتہ کی حرمت کے قائل تھے۔ لیکن معہذا ان میں میتہ کے کھانے کا رواج تھا جس کی دو وجہ تھیں۔ اول یہ کہ وہ میتہ صرف اسی جانور کو جانتے تھے جو کسی بیماری سے مرے ہو۔ وہ جانور ان کے نزدیک میتہ میں داخل نہیں تھا جو پہاڑ وغیرہ کسی اونچی جگہ سے گر کر مر جاتا۔ یا چوٹ کھا کر مر جاتا۔ یا اس کو کوئی دوسرا جانور اپنے سینگوں سے مار ڈالتا۔ یا اسکو کوئی دزدہ پھاڑ کھاتا۔ یا وہ خود اس کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتے۔ ایسے جانوروں کو وہ لوگ نہایت شوق سے کھاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ مائدہ میں جہاں میتہ کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ وہاں صرف لفظ میتہ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ میتہ کی جملہ اقسام کو بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

دوسرے یہ لوگ بکیرہ و سائبہ وغیرہ جانوروں کو جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے عام جانوروں کی طرح نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا مرتبہ ان کے نزدیک بہت بڑا تھا۔ اس لئے وہ ان جانوروں کو مرنے کے بعد بھی متبرک خیال کرتے تھے اور بطور تبرک کے ان کو کھاتے تھے۔

جاہلیت کے لوگ عموماً سود خوار تھے۔ وہ سادہ ہی سود نہیں لیتے تھے بلکہ سود در سود لیتے تھے۔ ان کے سود کی کیفیت یہ تھی۔ کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کے لئے روپیہ قرض دیتا۔ جب وہ میعاد گزر جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کہتا کہ یا تو میرا روپیہ ادا کر دے۔ اور یا اصل کو بڑھا دے یعنی سود کو اصل میں شامل کر دے کہ آئندہ اس پر بھی سود لگتا

لے تفسیر ابن جریر ص ۶ جلد ۶

غنٹی

سود خوری

رہے۔ اگر قرضدار روپیہ ادا نہ کر سکتا۔ تو وہ اس وقت تک کا تمام سود اصل میں شامل کر کے اصل کو بڑھا دیتا۔ اور قرض خواہ۔ ایک اور ميعاد مقرر کر دیتا۔ پھر اُس دوسری ميعاد کے گزرنے پر بھی یوں ہی کرتا۔ اور جب تک قرضدار یکبارگی کل روپیہ ادا نہ کر دیتا۔ ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود پر سود چڑھتا رہتا یہی وہ سود ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔

جاہلیت میں شراب پینے کا عام رواج تھا۔ بخیل اور کنجوس سے کنجوس بھی شراب پیتا تھا اور اس میں اپنا مال بیدینغ لٹاتا تھا۔ اور اپنی مے نوشی پر اُن کو فخر تھا۔ عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے کہ

توی اللخراشعیم اذا اُصرت
علیہ مالہ فیہا مہینا

یعنی تو حد درجہ کے بخیل اور کنجوس کو بھی جب اس پر شراب کا دور چلتا ہے۔ اپنے مال کو بیدینغ لٹاتے دیکھ گاہ۔

سُبرہ بن عمرو فقہی کہتا ہے

غابی بھا اکفاءنا ونہینھا
ونشراب فی اثمانھا ونقامر

ہم اپنے اونٹ اپنے برادروں اور بھائی بندوں کو بخشے ہیں۔ اور مہاؤں کے لئے ذبح کرتے ہیں اور

انکی قیمتوں سے شراب اڑاتے ہیں اور جو اکیلے ہیں۔

شراب پلانے والی عموماً خوبصورت اور مہجین عورتیں ہوتی تھیں۔ جو اُن کے دہنے ہاتھ پر ہوتا تھا۔ پہلے اُس کو پلاتی تھیں۔ پھر اُس کے بعد اس سے دہنے کو اور اس کے بعد اس سے دہنے کو۔ عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے

صبت الکاس عنام عمر و
وکان الکاس حراھا الیمینا

اے ام عمرو تو نے ہم سے پیالہ روک لیا۔ حال اُنکے پیالہ دہنی جانب کو پھرنا چاہئے تھا۔

باوجود اس بات کے کہ شراب اہل جاہلیت کی نہایت محبوب اور مرغوب طبع تھی اس کے متعلق دو باتیں اُن کے ماں نہایت قابل تعریف تھیں۔ ایک یہ کہ اگر ان کا کوئی عزیز مارا جاتا تو اُس کا قصاص لینے تک شراب اپنے اوپر حرام کر لیتے جب تک اُس کا قصاص نہ لیتے اس وقت تک شراب کے پاس نہ پھٹکتے اور اُس کو قطعی حرام جانتے۔ شنفری اپنے ماموں تابط شرأ کے مرثیہ میں کہتا ہے

لے دیکھو تفسیر کبیر۔

فادرکنا الثارفیہم ولما
ینج من الحیان الا الاقل
حلت الخمر وکانت حراما
وبلائی ما الملت نحل

ہم نے اُن سے سلپے ماموں کا قصاص اور بدلے لیا
اور بنی لحيان میں سے چند ہی آدمی زندہ بچے۔

شراب حلال ہو گئی حالانکہ وہ پہلے حرام تھی اور
حلال ہو کر بعد ایک مدت دراز کے میرے پاس آئی۔

دوسرے یہ کہ عورتیں مطلقاً شراب کے پاس نہیں بھٹکتی تھیں، جاہلیت کے لوگ اپنی
عورتوں کو شراب پینے کی سخت مانگت کرتے تھے۔ اور اُن کے شراب پینے کو نہایت معبود
جانتے تھے۔ حتیٰ کہ صفحات تاریخ میں جاہلیت کی عورتوں میں سے کوئی ایک عورت بھی ایسی نہیں
پائی جاتی جو کبھی شراب پی کر مست ہوئی ہو۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوم عرب عورتوں
کے بارہ میں نہایت غیور تھی۔ اور جو خرابیاں مردوں میں تھیں عورتیں اُن سے محفوظ تھیں۔

جاہلیت میں چار قسم کی بیوع رائج تھیں جبل الجبلہ۔ منابذت۔ ملاست اور بیع حصاء۔
جبل الجبلہ کی یہ صورت تھی کہ مشتری بایع سے کوئی چیز خریدتا۔ اور ادائے ثمن کی مبالغہ
اس اونٹنی کے بچہ جننے کے وقت کو قرار دیتا جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتی یعنی بایع سے
کہتا کہ میں مبيع کی قیمت اس وقت دوں گا جب میری اس اونٹنی سے جو اس وقت حاملہ ہے مادہ
پیدا ہو اور وہ بڑی ہو کر بچہ جنے۔

منابذت کی یہ صورت تھی کہ بایع مشتری کی طرف کوئی شے جسے وہ بیچنا چاہتا تھا پھینک دیتا
تھا۔ اور ایسا کرنے سے بیع واجب ہو جاتی تھی۔ اس میں مشتری کی رضا مندی کی ضرورت نہ تھی
اس صورت میں قیمت وہ دینی پڑتی تھی جو اس شے پر لکھی ہوتی ہوتی تھی۔ یا جو بایع مانگتا تھا۔ ملاست
اور بیع حصاء کی تفسیر آگے آئی ہے۔

جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جو اولاد باندی کے بطن سے پیدا ہوتی تھی۔ باپ اُس کو
اپنا غلام بنا لیتا تھا۔ اور اُس کے ساتھ غلاموں کا سا برتاؤ کرتا تھا۔ اُس کے وہ حقوق نہیں سمجھے
جاتے تھے جو بیٹوں کے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے باندی کے بطن سے نجیب اور بہادر بیٹا
پیدا ہوتا تو باپ اُس کو اپنی طرف منسوب کرتا اور اس کو اپنا بیٹا بنا لیتا۔ ورنہ وہ غلام رہتا۔ چنانچہ
نامور اور مشہور شاعر عمر خیام کو جو حبشی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اُس کے باپ نے اپنا غلام بنالیا۔

عاجب عنترہ نے اپنی شجاعت اور بہادری کے چہرہ دکھلائے تو اس کے باپ نے اس کو آزاد کر دیا اور اس روز سے اس کو اپنا بیٹا کہنے لگا۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کر دیتا تھا تو بھی اُن غلاموں سے اس کی ملکیت زایل نہیں ہوتی تھی اور وہ اُن غلاموں کو بیع وینے کا مجاز تھا۔

جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ ہر شخص گو وہ اپنی ہی ہوتا بغیر اجازت دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہو جاتا۔ اندر آنے سے پہلے اندر آنے کی اجازت طلب کرنی کچھ ضرور نہ تھی۔

جاہلیت کی رسوم میں سے ایک رسم منافرت و مفاخرت تھی۔ اہل جاہلیت مال و دولت علم و فضل جو دوسنا علم و غنور اور شرافت نبی وغیرہ امور میں ایک دوسرے پر بڑائی مارتے تھے اور فخر کرتے تھے۔ اکثر اوقات قبروں پر جاتے اور کہتے کہ دیکھو یہ قبر ہمارے فلاں بزرگ کی ہے تمہارے خاندان میں بھی کوئی ایسا بزرگ گزر رہا ہے۔

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ساتھ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں جب اُن کے شوہر لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں۔ آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔ اسے ہمارے جری اور بہادر خاوند۔ اگر تم آگے بڑھنے میں کوتاہی کرو گے اور ہم کو دشمن سے نہ بچاؤ گے تو ہم تمہاری بیویاں نہ رہیں گی۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں ڈھتی تھیں۔ اگر کبھی کسی خاندان کی کوئی عورت دودھ دیتے دیکھی جاتی تو تمام لوگ اس خاندان کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں حقیر ہو جاتا تھا۔

عرب جاہلیت کی عورتوں کا عام دستور تھا کہ اپنی جلد گودھواتی تھیں طریق یہ تھا کہ سوئی یا لوہے کے کسی آلہ سے جلد گودھ کر خون بہاتیں۔ پھر اس میں نیل وغیرہ بھر دیتیں جس سے وہ جگہ دیر ہو جاتی۔ یہ گودھنا سادے طور پر نہ تھا۔ بلکہ جس جگہ گودھتی تھیں وہاں انواع و اقسام کے نقوش اور حیوانات کی تصویریں بناتی تھیں۔ اس سے اُن کا مقصود بدن کو زینت دینا ہے۔ گودھنا نہ صرف ایک ہی جگہ تھا بلکہ بدن کا اکثر حصہ گودھواتی تھیں۔ خصوصاً ہاں کو تو ضرور ہی گودھواتی تھیں چنانچہ عرب کی اکثر عورتوں کے لب نیلے نظر آتے تھے اور یہ اُن کے نزدیک کمال حسن میں داخل تھا۔

مرد بھی بدن کے بعض خاص خاص مواضع کو دھواتے تھے لیکن زینت اور خوبصورتی کی غرض سے نہیں۔ بلکہ اُن کا یہ خیال تھا کہ جس جوڑ کو دھوا یا جاتا ہے اس میں قوت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے لڑکے بھی خوبصورتی کی غرض سے اپنا چہرہ کو دھواتے تھے۔ گو دھوانے کو عربی میں وشم کہتے ہیں حدیث میں اس فعل کی بڑی قباحت و شناعة آئی ہے۔ سرور عالم فخر و وہاں فرماتے ہیں :

لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنصصات
والتنفجات الحسن المغيرات لحق الله

یعنی خدا اُن عورتوں پر لعنت کرے جو زینت اور خوبصورتی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جلد کو دھوتی

ہیں یا دوسری عورتوں سے گو دھواتی ہیں یا سوچنے سے اپنی بھوؤں کے اطراف کے بال اکھاڑ کر اُن کو باریک اور مساوی بناتی ہیں اور سومان سے اپنے دانتوں کو گھس کر اُن کو چھیدا کرتی اور اپنے اُن افعال سے اللہ کی پیدائش کو بدلتا چاہتی ہیں :

یہ بھی دستور تھا کہ عورتیں مصنوعی بال اپنے سر پر لگایا کرتی تھیں۔ شریعت اسلام نے اس فعل کو بھی حرام کیا۔ اور واصلہ اور مستوصلہ یعنی مصنوعی بال لگانے والی اور مصنوعی لگوانے والی عورتوں کو ملعون قرار دیا :

پینٹھیں

جاہلیت میں مختلف مقامات پر سال میں بارہ پینٹھیں لگتی تھیں جن میں ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ جاتے تھے اور اپنے اپنے مناقب و مفاخر بیان کرتے تھے ان پینٹھوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱، دومۃ الجندل۔ یہ ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہاں ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے پندرہ ربیع الاول تک پینٹھ لگتی تھی۔ اس پینٹھ میں خرید و فروخت اور لین دین کے لئے آدمی جمع ہوتے تھے۔ یہاں جو بیع کی جاتی تھی وہ بیع حصاۃ تھی۔ اس بیع کی چند قسمیں تھیں۔ ایک یہ کہ باج مشتری سے کہتا ہے کہ اس کنکری کو پھینک جس تھان پر گرے گی وہ ایک درہم کے عوض تیرا ہو چکا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ مشتری اپنی مٹھی میں کنکریاں بھرتا اور باج سے کہتا کہ مٹھی کنکریاں میری مٹھی میں نکلیں اتنے ہی عدد بٹے مبیعہ کے مجھے اس قیمت میں بجا میں۔ یا باج کسی چیز کو عطا اور اپنی مٹھی میں کنکریاں بھر لیتا اور کہتا کہ اس کی قیمت اتنے درہم ہیں جتنی میری مٹھی میں کنکریاں ہیں تیسری

صورت یہ تھی کہ بائع یا مشتری اپنے ہاتھ میں کنکری لے لیتا اور کہتا کہ جو وقت یہ کنکری میرے ہاتھ سے گر جائے گی۔ اس وقت بیع واجب ہو جائیگی چوتھی صورت یہ تھی کہ بائع مشتری سے یا مشتری بائع سے کہتا کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینک دوں تو بیع واجب ہو جائیگی۔ پانچویں صورت یہ تھی کہ بائع نیچے کے لئے بکریوں کا ریوڑ لاتا اور ایک کنکری اٹھا کر مارتا اور مشتری سے کہتا کہ جس بکری پر کنکری پڑے گی وہ اتنے کو دیجائے گی۔ چھٹی صورت یہ تھی کہ بائع اپنی اتنی زمین بیچتا جہاں تک پھینکنے سے کنکری پہنچتی۔ جاہلیت میں یہ سب صورتیں جو جوے کے مشابہ ہیں رائج تھیں اسلام نے ان سب کو مٹا دیا کیر و دوتہ الجندل کا رتیں اس پینٹھ کا منتظم ہوتا تھا۔ (۲) سوق حجر۔ حجر بحرن کا نام ہے۔ یہاں اخیر بیع الثانی میں پینٹھ لگتی تھی اور منذر بن سادہ اس کا منتظم ہوتا تھا۔

(۳) سوق عمان۔ عمان بھی بحرن کے قریب ہے۔ بحر کی پینٹھ کر کے لوگ اس پینٹھ میں جاتے تھے۔ یہ پینٹھ اخیر جمادی الاولیٰ تک لگی رہتی تھی۔

(۴) سوق مشقر۔ یہ بحرن میں ایک قلعہ ہے۔ یہ پینٹھ جمادی الثانی کی پہلی تاریخ سے لگتی تھی اس پینٹھ میں بیع ملامت کی جاتی تھی اور اس کی تین صورتیں تھیں ایک یہ کہ بائع مشتری کے پاس اندھیرے میں لیٹا ہوا تھان لاتا خریدار اس کو ہاتھ سے چھوتا اور تھان والا اس سے کہتا کہ میں نے تجھے یہ تھان اتنے کو بیچ دیا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کپڑا دیکھنے کے بعد واپسی کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ تیرا چھونا تیرے دیکھنے کے قائم مقام ہے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ مشتری جس کپڑے کو چھو دیتا۔ اُس کے چھونے سے وہ کپڑا بک جاتا اور مشتری کی ملک ہو جاتا تیسری صورت یہ تھی کہ بائع مشتری کپڑا چھونے کو خیال مجلس کے جاتے رہنے کے لئے شرط ٹھیراتے۔ اسلام نے ملامت کی ہر صورت کو باطل قرار دیا۔

(۵) سوق صحار۔ یہ پینٹھ رجب کی دسویں تاریخ لگتی تھی اور پانچ دن تک لگی رہتی تھی۔

(۶) سوق شحر۔ شحر عمان اور عدن کے درمیان سمندر کے کنارے پر ایک جگہ ہے یہاں پندرہ شعبان کو پینٹھ لگتی تھی۔ اور اس پینٹھ میں بھی دوتہ الجندل کی طرح بیع حصاة ہوتی تھی

(۷) سوق عدن ابین۔ عدن ابین میں ایک جزیرہ ہے شحر کی پینٹھ کر کے لوگ یہاں

جمع ہوتے تھے اور رمضان تک یہ پیٹھ لگی رہتی تھی۔ اور یہاں سے لوگ خوشبوئیں خریدتے تھے۔
 (۸) صنعاء شحر اور عدن کی پیٹھ کے بعد یہ پیٹھ لگتی تھی اور پندرہ رمضان سے اخیر رمضان
 تک لگی رہتی تھی۔ یہاں سے لوگ مینی چادریں خریدتے تھے۔

(۹) سوق حضرموت۔ پندرہ ذیقعد کو حضرموت میں پیٹھ لگتی تھی۔ اس پیٹھ میں عرب کے
 بعض قبائل جاتے تھے اور بعض دوسری پیٹھ میں جاتے تھے۔ جو انہیں ایام میں لگتی تھی۔
 (۱۰) سوق ذی المجاز۔ عرفات کی ایک جانب یہ پیٹھ لگتی تھی۔

(۱۱) سوق مجنہ۔ مکے کے قریب ایک جگہ ہے۔ موسم حج کے قریب یہ پیٹھ لگتی تھی اور اس
 میں اکثر قبائل جاتے تھے۔

(۱۲) سوق جہاشہ۔ جہاشہ ایک جگہ ہے یہاں ماہ رجب میں ایک پیٹھ لگتی تھی۔
 (۱۳) سوق عکاظ۔ یہاں سب سے بڑی پیٹھ لگتی تھی۔ یہ ایک مذہبی میلہ تھا۔ اور یہاں
 پر چند پتھر تھے جن کے گرد لوگ طواف کرتے تھے۔ اس میں خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ اور
 بڑے بڑے اہل کمال جمع ہو کر اپنے مفاخر اور مناقب بیان کرتے اور اشعار و قصائد پڑھتے۔ اور
 بلغاء اور لکچر اچھے دیتے اور تقریریں کرتے اسی پیٹھ میں قصائد معلقہ لٹکانے لگتے تھے جن کی
 فصاحت پر ان کے مصنفین کو فخر تھا۔ اس بازار میں قریش، ہوازن، سلیم، احابیش، عقیل
 مطلق وغیرہ تمام قبائل حاضر ہوتے تھے جس کا کوئی آدمی قید ہو جاتا وہ اس کو اس بازار
 سے فدیہ دیکر قید سے چھڑاتا۔ اور جو کسی عہدے یا حکومت کا طالب ہوتا وہ حکام بالا دست
 اور روساء قوم سے حکومت چاہتا۔ اس بازار میں جو لوگ دوسرے لوگوں کو عہدے اور حکومت
 دیتے تھے۔ وہ بنی تمیم کے چند آدمی تھے جن میں ایک اقرع بن حابس تھا۔ یہ میلہ ذیقعد کی پہلی
 تاریخ سے بیس تاریخ تک لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مکے جا کر احکام حج میں مشغول ہو جاتے
 پھر حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن کو لوٹتے۔

یہ تمام پیٹھیں زمانہ اسلام میں بھی ایک مدت تک لگتی رہیں اس کے بعد فہرہ رفتہ موقوف
 ہوتی گئیں۔ سب سے پہلے سن ایک سو انیس میں پیٹھ عکاظ موقوف ہوئی جس کا سبب خواجہ
 کی لوٹ مار ہوئی اور سب سے اخیر میں سن ایک سو ستانوے میں داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ عجمی

کے عہد حکومت میں جہاں کی پینٹھ موقوف ہوئی ۔

میت کی رسمیں

جاہلیت میں مردہ کی تجہیز و تکفین نہایت عمدہ طور پر کرتے تھے۔ اول میت کو غسل دیتے غسل میت پھر اس کو کفنا کر ایک تخت پر اس کا جنازہ اٹھاتے اور قبر پر لچائے غسل کا ذکر افوہ از دی نے اپنے اس شعر میں کیا ہے ۔

وجاءوا بماء بارد يغسلونہ
فيا لئلا من غسل سنيعة غير

میرے مرنے کے بعد لوگ میرے پاس ٹھنڈا پانی
لائیں گے اور اس سے مجھے غسل دیں گے سو کاش

اے غسل تیرے پیچھے شراب بھی ہو ۔

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے لوگ مردہ کو ٹھنڈے پانی سے نہلاتے تھے ۔

میت کے قبر پر لے جانے کا طریق یہ تھا کہ جس خاندان میں میت ہو جاتی۔ اس خاندان کی تمام عورتیں اپنے سر کے بال کھول ڈالتیں۔ اور ان پر راکھ مل لیتیں جب جنازہ تیار ہو جاتا تو نوہ گر عورتیں جن کا پیشہ اجرت پر نوہ کرنا ہوتا تھا۔ اجرت پر بلائی جاتیں۔ پھر جنازہ اٹھایا جاتا۔ میت کے عزیز واقارب اور وہ لوگ جن کو میت سے خصوصیت ہوتی تھے ننگے پاؤں اس کے پیچھے پیچھے چلتے۔ میت کے خاندان کی عورتیں اور وہ نوہ گر عورتیں جو اجرت پر لچاتی تھیں اس کے ساتھ ہوتیں اور اس کے محاسن اور خوبیاں بیان کر کر اس پر اظہار حزن و ملال اور افسوس کرتی جاتیں ۔

جاہلیت کے لوگوں کو میت کی تعظیم کا از حد خیال تھا۔ جب کسی جمع کے سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا تھا تو اس جمع کے تمام آدمی مردہ کی تعظیم اور اس پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے سر و قد اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے ۔

عن ابن جریر الطبرانی في تعذبات العرب مؤلفه نوفل آفندی ص ۱۷ مطبوعہ بیروت ۔

جب جنازہ قبر پر پہنچتا تو اس پر نماز پڑھتے جس کا طریق یہ تھا کہ میت کا ولی امام کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو کر اس کے تمام محاسن بیان کرتا اور اس کی تعریف کرتا۔ پھر اس کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتا۔ اور دفن کے بعد کہتا علیک رحمۃ اللہ یعنی تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ جاہلیت کا ایک شخص اپنے پوتے کو مخاطب کر کے کہتا ہے ۔

اعمر وان هلكت وكنت حيا
فاني مكثت من صلوتي

اے عمر اگر تو مر گیا اور میں زندہ رہا تو میں تجھ پر کثرت سے نماز پڑھوں گا۔

میت کے دفن سے پہلے میت کے ہمراہیوں میں سے کوئی شخص کھانا نہ کھاتا جب اس کے دفن سے فارغ ہو کر گھر واپس آتے۔ اس وقت بھی کھانا لایا جاتا۔ اور وہ سب آدمی جو میت میں شریک ہوتے کھاتے۔

جاہلیت میں جب کوئی رئیس یا بڑا شخص مرجاتا تو ایک سوار گھوڑے پر سوار ہو کر تمام بستی میں گھومتا اور لوگوں سے یہ کہتا پھرنا نعلو فلا۔ یعنی میں فلاں شخص کے مرنے کی خبر دیتا ہوں۔ اس رسم کا ذکر صہبی نے کیا ہے۔ سارے عرب میں یہ رسم جاری تھی شعراے عرب کے کلام میں اس کا ذکر کثرت سے پایا جاتا ہے ۔

عرب جاہلیت کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص مرجاتا اس کو لایعبد کہتے یعنی خدا سے ہلاک نہ کرے یہ ان کے یہاں میت کے لئے دعا تھی۔ قال الخنق ۔

لا یبعدن قومی الذین ہم
سم العداة وآفة الجذر
النازلین بکل معترک
والطیبون معاً قد الا زار

خدا میری قوم کے لوگوں کو جو دشمنوں کے حق میں زہر قاتل اور اونٹوں کے لئے آفت تھے۔ یعنی انہیں ذبح کر کے جہانوں کو کھلاتے تھے ہلاک نہ کرے وہ لڑائی کے ہر معرکہ میں جاتے تھے اور ان کی آزار باندھی

کی۔ گیس پاک و صاف تھیں یعنی وہ زانی اور بدکار نہ تھے ۔ قال الفراء تسلی ۔

ماکان ینفعنی مقال نسا بھم
وقلت دون رجالہا لا تبعد

مجھے ان کی عورتوں کا یہ کہنا کہ خدا کرے کہ تو ہلاک نہ ہو کیا نفع پہنچا سکتا ہے۔ جبکہ میں ان کے مردوں کے سامنے مارا جاؤں

لے بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ ص ۵۸۲ مناقب العرب فی تقدات العرب لے لفظ نوخلی قندی مطبوعہ بیروت۔

موت کی
خبر مشترکہ
کرنا

میت کے
لئے دعا

کتاب اللب میں ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ میت کو دعا دیتے وقت اس کا کلاہ ہتھمال کرتے تھے۔ اس سے ان کی دو غرضیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ اس سے بڑے شخص کی موت کی عظمت ظاہر کرتے تھے۔ گویا وہ اس کی موت کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ یہ معنی زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے ان اشعار میں بیان کئے ہیں۔

يقولون حصن ثم تابى نفوسهم
وكيف جحصن والجبال جنوح
ولم تلفظ الموتى القبور ولم تنزل
نجوم السماء والادير صحيم

لوگ کہتے ہیں کہ حصن مرگیا پھر ان کے دل اس سے انکار کرتے ہیں اور حصن کیونکر مر سکتا ہے جبکہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور قبروں نے مردوں کو نہیں نکالا اور ستارے بدستور اپنی حالت میں ہیں اور زمین میں کوئی خرابی واقع

نہیں ہوئی۔

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ حصن مرگیا پھر اس کہنے کو بڑی بھاری بات جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ کیونکر مر سکتا ہے جبکہ ابھی تک پہاڑ ریزہ ریزہ نہیں ہوئے اور ستارے بے نور نہیں ہوئے اور قبروں نے اپنے مردوں کو باہر نہیں نکالا اور نظام عالم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یعنی وہ تو قیامت ہی کو مرے گا۔ قیامت سے پہلے کیونکر مر گیا۔ دوسری غرض یہ تھی کہ وہ میت کو اس کی زندگی کی دعا دیتے تھے۔ اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ اس کا نام زندہ رہے۔ کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے نام کا زندہ رہنا بمنزلہ اس کی حیات کے ہے۔

عرب جاہلیت میں ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی سخی یا نامور آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹنی باندھ دیتے۔ پھر اسے نہ کھانا دیتے نہ پانی یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مرجاتی۔ باندھنے کا یہ طریق تھا کہ قبر کے پاس ایک گڑھا کھوداں میں چھوڑ دیتے اور اس کی گردن ٹوڑ کر اس کا سر چوڑوں کی طرف کر دیتے۔ اور ہاتھ پاؤں رسیوں سے خوب مضبوط باندھ دیتے اس اونٹنی کا نام بلیہ تھا اور یہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس کی قبر پر بلیہ باندھی جائے گی۔ قیامت کے دن وہ اپنی بلیہ پر سوار ہو کر اٹھے گا۔ اور جس کی قبر پر بلیہ نہ باندھی جائے گی وہ قیامت کو پیادہ میدان حشر میں جائیگا۔

حرمیہ ابن اثم تقسی اپنے بیٹے سعد کو وصیت کرتا ہے ۷

يا سعد انا اهل كن فاني
او عيلك ان اخا الوصاة الا قرب
لا عرفن اياك يحشر خلفكم
تعباً يحتر على الدين وينكب
واحمل اياك على بعير صالح
وقتی الخطیئة انه هو اصبوب
ولعل لي كما جمعت مطيعة
في الحشر اركبها اذا قيل اركبوا

سوار ہو جاؤں گا ۷

نعمیر نہانی کہتا ہے ۷

ابن کاتس البلیہ انہا
لا یلتایوم غشورہ مرکوب

بیٹا میری قبر پر بلیہ باندھنے کو نہ بھول جانا کیونکہ وہ قیامت
کے دن تیرے باپ کی سواری ہوگی ۷

نسیت پر نوحہ کرنا جاہلیت کی مشہور رسموں میں سے ہے جب کوئی مر جاتا اس کے
خاندان اور قریبہ کی تمام عورتیں اکٹھی ہوتیں اس کے کارنامے اور محاسن بیان کر کے
بلند آواز سے اس پر روتیں۔ جاہلیت کے اکثر بلکہ تقریباً تمام مرد مرتے وقت اپنی بیویوں اور
بیٹیوں اور خاندان کی عورتوں کو اپنے اوپر نوحہ کرنے کی وصیت کر جاتے تھے۔ جاہلیت کا نام
شاعر طرفہ بن عبد اپنے سعلقہ میں کہتا ہے ۷

اذا مت فالعینی بما انا اهلہ
وشقی علی الجیب یا ابنہ معد

معد کی صاحب زادی جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ
وہ سلوک کرنا جس کا میں اہل ہوں لوگوں میں میرے

مرنے کی خبر مشہور کرنا اور میرے غم میں اپنا گریبان پھاڑنا ۷

نوحہ کے لئے صبح اور شام کا وقت مقرر تھا مشہور شاعرہ غناء کہتی ہے ۷

یذا کرنی طلوع الشمس صخر

سورج کا نکلنا مجھے میرے بھائی صخر کو یاد دلاتا ہے

نوحہ کی

نوحہ کا
وقت

واذکرہ لکل غروب شمس اور اسی طرح ہر شام کو جب سورج چھپتا ہے میں اسے یاد

کرتی ہوں

صخر کے ماتم میں رہتی ہوں مدام صخر آتا یاد ہے ہر صبح و شام
نوحہ کی یہ صورت تھی کہ عورتیں اپنا سر اور منہ کھول کر کھڑے ہو کر بلند آواز سے مردہ کے
کارنامے اور محاسن بیان کر کر رہتیں اور اپنے مونہوں پر طابچہ مارتیں اور گریبان بھاڑتیں بعض
عورتیں جو میت کے زیادہ قریب ہوتیں اپنے سر بھی منڈوالیتیں۔ ربیع بن زیاد مالک بن زہیر
عبسی کے مرثیہ میں کہتا ہے

من مثله تمسی النساء حواسا
وقوم معولۃ مع الایسار
من کان مسرودا بمقبل مالک
فلیات نسوتنا بوجه فہار
یجد النساء حواسا یند ینہ
یلطمین اوجہن بالایسار
قد کن یخبان الوجہ تسترا
فالیوم حین یزرن للنظار
یضربن حور جوہم غلی فقی
عنف الشماکل طیب الایسار

ایسے ہی شخص کے مرنے کی خبر سن کر عورتیں برہنہ سر
اور برہنہ منہ ہر صبح و شام بآواز بلند رونے کھڑی ہوتی
ہیں جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہے اس کو
چاہئے کہ علی الصبح ہماری عورتوں کے پاس آکر انکی
حالت دیکھے وہ انہیں اس حالت میں پائے گا کہ کھلے
سر اور کھلے منہ اُسے رو رہی ہوں گی اور ہر صبح کو اپنے منہ
پیٹ رہی ہوگی وہ عورتیں اس مصیبت کے پڑنے سے
پہلے پردہ کی وجہ سے اپنے چہرے چھپاتی تھیں۔ لیکن
آج جبکہ وہ نظارگیوں کے لئے ظاہر ہوتیں تو ایک جوان
کے غم میں جس کی خصلتیں پاک اور خبریں نیک تھیں

اپنے کھلے مونہوں کو پیٹ رہی ہیں

جہانی کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے شوہر پر کھڑے ہو کر نوحہ کرتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس
کے بعد نکاح نہیں کرے گی

شریعت اسلام نے نوحہ کی رسم کو نہایت مذموم قرار دیا۔ حدیثوں میں اس کی بہت کچھ
قباحت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے اپنا منہ پٹیا اور گریبان بھاڑا وہ ہماری

جماعت سے نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صالۃ اور حلقہ شافہ سو اپنی بیزاری ظاہر فرمائی۔ صالۃ وہ ہے جو رونے میں آواز بلند کرے۔ حلقہ وہ ہے جو مصیبت میں اپنا سر منڈواتے۔ اور شافہ وہ جو اپنا گریبان پھاڑے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب ہوتا ہے۔ اہل حدیث نے بیان کیا ہے کہ گھر والوں کے رونے سے مردہ کو عذاب فقط اُسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اُس نے اپنی زندگی میں اس کی وصیت کی ہو لیکن اگر اُس نے اس کی وصیت نہ کی ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حدیث میں عمومیت اس لئے ہے کہ اُس زمانہ میں سبھی لوگ اس کی وصیت کرتے تھے۔

نوحہ کی بابت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُس کی میعاد ایک سال تک تھی اس کا پتہ البیدرہ کے اشعار سے بھی چلتا ہے جو آگے آتے ہیں۔

نوحہ کی
میعاد

جاننا چاہئے کہ شریعت میں جو نوحہ حرام ہے وہ فقط وہی نوحہ ہے جو جاہلیت کے طریق پر ہو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ بلند آواز سے چلا چلا کر مردہ کے محاسن بیان کر کے رویا جائے اور گریبان پھاڑا جائے اور منہ پیٹا جائے یا مردہ کے غم میں سر منڈایا جائے۔ ورنہ مطلق رونا منع نہیں ہے۔ حضرت ابید صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹیوں کو ناجائز نوحہ کی ممانعت فرمائی اور جائز رونے کی وصیت کی کما قال ہے

تمنی ابتای ان یعیش ابوہما
وہل انا الامن ربیعۃ او مضر
فقوماً وقولا بالذی تعلمانہ
ولا تخشوا وجہاً ولا متعلقاً شعراً
وقولا هو المرء الذی لا صدیقہ
اضاع ولا خان الامین لا عذر
الی الحول ثم اسم السلاہ علیکما
ومن یبک حولا کاملاً فقد عتد

میری دونوں بیٹیوں کی یہ خواہش ہے کہ ان کا باپ ہمیشہ جیتا رہے۔ حال آنکہ میں بھی ربیعہ اور مضر ہی کی اولاد ہوں۔ جب وہ مر گئے تو میں کس طرح ہمیشہ جیتا رہوں گا۔ اے میری بیٹیوں میرے مرنے کے بعد مجھے کھڑے ہو کر رونا اور میرے وہ اوصاف بیان کرنا جن کا تمہیں علم ہے۔ نہ اپنا منہ پیٹنا اور نہ سر منڈوانا ہاں یہ کہنا کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے نہ اپنے کسی دوست کو ضائع کیا۔ نہ امانت رکھنے والے کی خیانت کی اور نہ کسی

وہو کا دیا۔ اس طرح سال بھر تک کرنا پھر اس کے بعد میرا تم کو سلام ہے۔ کیونکہ جو پورے ایک سال تک روئے وہ معذور ہے۔ *

لبیۃ کی وفات کے بعد ان کی دونوں بیٹیاں ہر روز اپنے نوحہ کے کپڑے پہن کر لیبیۃ کے قبیلہ جعفر بن کلاب کی عورتوں کی مجلس میں جاتیں اور ان پر غم کرتیں لیکن اپنی آواز بلند نہ کرتیں۔ پورے ایک سال انہوں نے لیبیۃ کا ماتم کیا۔ پھر اپنے گھر چلی گئیں۔ *

اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ اپنے مردوں کی قبروں پر اونٹ اور گھوڑے ذبح کرتے تھے اور ان کے خون سے قبر کو تر کرتے تھے۔ شعرائے جاہلیت نے اس رسم کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ زیاد الابعم مغیرہ بن مہلب کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

جنگی سپاہیوں سے جب وہ جنگ میں مصروف ہوں اور قافلوں اور صبح و شام تیز چلنے والے لوگوں سے کہہ دے کہ شجاعت اور سخاوت دونوں اُس قبر میں مدفون ہیں جو مقام مرد میں ایسے مقام پر بنی ہوئی ہے جہاں سرک نہ رہی ہے۔ پس جب تو اُس کی قبر پر گزرے تو اس پر بڑے بڑے کوبان والی اونٹنیوں اور ہر ایک باورفتار گھوڑے کو ذبح کر اور ان کا خون اس کی قبر کی ہر ایک جانب اور ہر ایک

قل للثواقل والغزاة اذا غزوا
وانباکین وللمجد الساج
ان الشجاعة والسماحة ضمتنا
قبرا بمرور علی الطریق المراض
فاذا امرت بقبره فاعقر به
کوم الجلاء کل طیرت ساج
وانضم جوانب قبره بدماثها
فلقد یكون اخادیم وذباہ

پلو پر پیٹ دے۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی میں بہت سے خون بہاتا تھا اور بہت سے جانور ذبح کرتا تھا۔ حفص بن اصف کنانی ربیعہ بن مکدم کنانی کے مرثیہ میں کہتا ہے۔

خدا کرے ربیعہ بن مکدم کا نام ہمیشہ دنیا میں زندہ ہے اور صبح کے وقت برسنے والا مینہ اس کی قبر کو سیراب کرے۔ میری اونٹنی سیاہ رنگ والی زمین کے پتھروں سے جو ایک سخی اور فیاض کی قبر پر لگائے گئے تھے ہڈی میں نے اس سے کہا کہ اے میری

لا یبعدن ربیعة بن مکدم
وسقی الغوا دی قبره بذنوب
نفرت قلبی مزججارة حرة
بیت علی طلق الیدین وھوب
لا تنقری یا ناق منه فانه

شتریب خمر مسعر لحد و دف
لوکلا السفار و بعد حقوق مهمه
لترکتها تحبوا علی العرقوب

اونٹنی تو اس سے نہ بدگ کیونکہ جوان پتھروں کے
نیچے دبا ہوا ہے وہ بہت بڑا مے نوش اور سخت
لڑائی کی آگ بھڑکانے والا تھا۔ اگر مسافرت اور

نق و ق بیابانوں کی دوری نہ ہوتی تو میں اس قبر پر اپنی اونٹنی کی کوئیں کاٹ ڈالتا اور وہ اپنے
گھٹنوں اور پیٹ کے بل گھسٹتی پھرتی ۔

ربیعہ بن مکدم کی قبر کے چاروں طرف سیاہ پتھر لگائے گئے تھے لیکن وسط قبر میں ایک
سفید پتھر لگا تھا جو کوئی اس قبر پر گزرتا تھا اپنی اونٹنی ذبح کرتا تھا۔ جب یہ شاعر اس پر گزرتا تو
اس نے سفر کے خیال سے اپنی اونٹنی ذبح نہ کی اور یہ شعر کہے ۔

قبروں پر اونٹوں کے ذبح کرنے کی چار وجہ بیان کی گئیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ لوگ میت
کا بدلا امارتے تھے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں اونٹ ہانوں کے لئے ذبح کیا کرتا تھا۔ ان لوگوں
نے اس شعر سے محنت پکڑی ہے ۔

قبر پر
قزاقی
کی وجہ

یعنی اس کے جوانب قبر کو اس کے خون سے تر کرنے
کیونکہ وہ خون بہانے والا اور اونٹوں کو ذبح کرنے

وانضم جوانب قبرہ بدما مانتھا
فلقد یكون انخادم وذبا ریح

والا تھا۔ دوم یہ کہ قبر پر اونٹوں کے ذبح کرنے سے مقصود میت کی تعظیم تھی یعنی جس طرح بتوں کے
نام پر جانور ذبح کرتے تھے اسی طرح میت کے نام پر بھی کرتے تھے۔ سوم یہ کہ جب میت کی
ہڈیاں کل سڑ کر بوسیدہ ہو جاتی تھیں۔ تو ان کو اونٹ کھاتے تھے۔ اس لئے وہ میت کی قبر
پر اونٹ ذبح کرتے تھے۔ گویا ان سے مردوں کا قصاص لیتے تھے۔ چہاں یہ کہ اونٹ اہل
عرب کا نفیس اور بیش قیمت مال تھا۔ اس لئے وہ ان کو ذبح کر کے یہ ظاہر کرتے تھے کہ متوفی
کی موت سے ہم پر ایسی سخت مصیبت پڑی ہے جس کے صدمہ کی وجہ سے ہمارا نفیس اور
بیش قیمت مال ہمارے نزدیک بیقدار اور ذلیل ہو گیا ہے ۔

بہر پنج اس کی وجہ کچھ ہی ہو جاہلیت میں قبروں پر اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے خون
سے قبروں کو تر کرنا رائج تھا۔ اسلام نے اس رسم کو باطل قرار دیا اور فرمایا لا تعتر فی الاسلام
یعنی اسلام میں قبر پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے ۔

لے بلوغ الاربع فی احوال العرب ۔

صدی
دہ

اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ جب مردہ کی ہڈیاں گل شر جاتی ہیں۔ تو اس کے سر میں سے
آلو کی شکل کا ایک پرند نکلتا ہے تو بہ بن حمیر کہتا ہے :

ولان لیلی الاخیلیۃ سلمت
علی ودونی تریۃ و صفائح
لسلمت تسلیم البشاشۃ اذقا
الیہا صدی من جانب القبر صائح

اگر لیلیٰ اخیلیہ مجھ کو اس وقت سلام کرے گی
جب میں قبر میں مٹی اور چوڑی سلون کے نیچے
وبا ہوا ہونگا۔

تو میں نہایت خوش ہو کر اس کے سلام کا جواب

دونگا یا اس کی طرف میری قبر میں سے بولنے والا آؤں گے گا اور چلائے گا :

کہتے ہیں کہ لیلیٰ اپنے شوہر کے ہمراہ توبہ کی قبر پر گزری اور اس کو سلام کیا۔ جب کچھ جواب نہ
پایا تو اپنے شوہر سے کہا کہ توبہ نے اپنی مدۃ العمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن آج اس کا جھوٹ
ظاہر ہوا۔ شوہر نے کہا یہ کیونکر؟ اس نے کہا کہ اس نے میری محبت میں یہ شعر کہے ہیں اب میں نے
اس کو سلام کیا لیکن یہ جواب نہیں دیتا۔ اتفاقاً کہیں اس کی قبر کے کسی گوشہ میں ایک آلو رہتا تھا
جب اس نے لیلیٰ کے ہودج کے ہلنے کی آواز سنی اور اونٹ کو دیکھا تو گھبرا کر بھاگا۔ لیلیٰ یہ
سمجھی کہ یہ وہی آلو ہے جو آدمی کے سر میں سے نکلا کرتا ہے اور جس کا ذکر توبہ نے کیا ہے اسے دیکھ کر
لیلیٰ ڈر کر زمین پر گر پڑی اور اسی وقت مر گئی۔ جاہلیت کے شعرا کے اشعار میں اس آلو کا ذکر بہت
ہے۔ عربی میں اس کو صدا کہتے ہیں۔ شریعت اسلام نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے حدیث
میں ہامہ کی جو نفی آئی ہے۔ اس سے مراد یہی صدی ہے :

قبروں پر
شراب
چھڑکنا

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ اپنے عزیز واقارب اور دوست و احباب کی قبروں پر
شراب چھڑکتے تھے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :

احبت علی قبریکما من مدامۃ
فان لا تنالانا ترو جثا مکما

یعنی میں تم دونوں کی قبر پر شراب چھڑکتا ہوں اگر تم خود
اس کو نہیں لیتے ہو تو وہ تمہارے ڈھیروں کو سیراب

کرتی ہے۔ یہ شاعر اپنے دو رفیقوں کی قبر پر ہمیشہ دو پیالہ شراب چھڑکتا تھا :

لے الدرامشور فی طبقات ربات الخدور
لے حماسہ :

جوا

جاہلیت کی مشہور رسموں میں سے ایک رسم جوا ہے۔ جو عرب جاہلیت کا بڑا سرمایہ ناز و افتخار تھا۔ اور اس زمانہ میں منجملہ کمالات انسانی کے شمار کیا جاتا تھا۔ جو شخص جوا نہیں کھیلتا تھا لوگ اس کو تحت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نگہ بناتے تھے۔ اہل محلہ اور برادری میں اس کی کوئی وقعت نہ تھی اور چاروں طرف سے اس پر عن طعن پڑتی تھی جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ جوئے کی آمدنی کا اکثر حصہ فقراء و مساکین کو بانٹ دیتے تھے اور اکثر سخی اور محظوظ کے دنوں میں جوا کھیلتے تھے جب نہ اونٹوں کے تلے دوڑ رہتا تھا اور نہ لوگوں کو کھانے کو ملتا تھا۔ چونکہ بیشتر جوئے سے ان کی غرض فقراء و مساکین اور غریب لوگوں کی امداد ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اس کو موجب فخر و مباہلات گنتے تھے۔ اور جو شخص جوئے سے علیحدہ رہتا تھا۔ اس کو بزم یعنی کنجوس اور بخل کہتے تھے۔ یہ حصہ صا ایام محظوظ و خشک سالی میں تو جوا کھیلنا انسان کا بہت ہی بڑا کمال خیال کیا جاتا تھا۔ اور لوگ اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ ہم جوئے سے منہ موڑنے والے اور اس سے علیحدہ رہنے والے ہیں۔ جس کے ان کا مقصد اس بات کو ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ ہم بڑے داتا اور سخی ہیں۔ منعم بن نویرہ اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں کہتا ہے کہ

جب چمڑے کے خیموں پر قحط کے اڈے گرنے کی
آواز آتی تھی تو ایسے وقت میں وہ جوئے سے علیحدہ

وَلَا بَرَمًا تَهْدِي النِّسَاءَ لِعِيسَى
إِذَا الْقِسْعُ مِنْ بَرْدِ النَّسَاءِ تَقَعَّقَا

نہیں رہتا تھا کہ اور عورتیں اس کی دہان کو ہدیہ پہنچتی ہوں۔

بسید بن ربیعہ اپنے معلقہ میں کہتا ہے کہ

میں نے ہزاروں مرتبہ ایسا کیا کہ ان اونٹوں کے فوج
کرنے کے لئے جو جوئے کی لالچ تھے اپنے ندیموں کو
جوئے کے ان پانسو کے ساتھ بلایا۔ جو طویل و عرض
میں برابر تھے میں نے ان پانسو کے ساتھ اپنے

وَجَزَّوْا لِي سَارِدَعُوتَ لِحُتْفَهَا
بِمَغَالِقٍ مُتَشَابِهٍ أَجْسًا مُمَهَا
أَدْعُوْهُنَّ لِعَاقِبِ أَوْ مُطْفِلٍ
بَذَلْتُ لِحُيْرَانٍ الْجَمِيعَ لِحَامُهَا

فَالضَّيْفُ وَالْجَارُ الْجَنِيبُ كَانِمَا
هَبَطَاتِبَالَةً مَحْضَبًا أَهْضَامُهَا

ندیموں کو بانجھ اور بچہ والی اونٹنیوں کے ذبح کرنے
کے لئے بلایا اور ان کا گوشت سب کے پڑوسیوں پر تقسیم

کیا گیا۔ سو میرے وہاں اور دور کے پڑوسی میری فیاضی سے ایسے خوش حال ہو گئے کہ گویا
وہ تبالہ میں مقیم ہیں جس کے ٹیلے نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔

اگرچہ ان اشعار میں لہیڈ نے اپنے جوا کھیلنے کی تعریف نہیں کی بلکہ ایام قحط اور خشک سالی
میں اپنی سخاوت اور فیاضی کی تعریف کی ہے۔ لیکن ان اشعار سے جوے کی تعریف نکلتی ہے
مطلب یہ ہے کہ بہت سے اونٹ جو جوا کھیلنے کی لالچ تھے میں نے اپنے ندیموں کو ان کے
ذبح کرنے کے لئے جوے کے ان پانسوں کے ساتھ بلایا جو سب طول و عرض میں برابر تھے
تاکہ ان پانسوں کے ذریعہ سے ان اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالے اور جن جن اونٹوں کے
نام قرعہ پڑے ان کو ذبح کرے۔ پھر کہتا ہے کہ میں نے اپنے ندیموں کو جوے کے پانسوں کے
ساتھ بانجھ اور بچہ دار ہر قسم کی اونٹنیوں کے ذبح کرنے کے لئے بلایا۔ یہ اس لئے کہا کہ بانجھ
اونٹنی قریب اور موٹی تازی ہوتی ہے۔ اور بچہ دار عمدہ اور نفیس۔ پھر کہتا ہے کہ میرے ندیموں
نے میرے اونٹوں کو ذبح کیا اور ان کا گوشت سب کے پڑوسیوں کو تقسیم کیا گیا۔ یعنی میں نے
اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر لی اور غیروں کے بھی۔ اور میری اس سخاوت اور فیاضی سے میرے
وہاں اور دور کے پڑوسی ایسے خوش حال ہو گئے کہ گویا وہ مین کے وادی تبالہ میں مقیم ہیں
جس کے ٹیلے نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔ اور انہیں قحط کی خبر ہی نہیں۔

اللہ لغت نے تصریح کی ہے کہ یہ شاعر اس بات پر فخر کرتا ہے کہ جوا اونٹ میں نے
قحط میں لوگوں کو ذبح کر کے کھلائے وہ میرا ذاتی مال تھے۔ جوے کی کمائی سے نہیں تھے
ہاں اس قابل تھے کہ ان کے ساتھ جوا کھیلا جاتا۔ اور یہ اس لئے کہا کہ جوا بیش قیمت اونٹوں کے
ساتھ کھیلتے تھے۔

غرض جوا جاہلیت میں عام طور پر رائج تھا۔ اور اس میں ان کو غایت درجہ کا انہماک تھا
ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں لوگ اپنے تمام مال اور بیویوں کو جوے کی
نذر کر دیتے تھے۔

جوا کھیلنے کا طریق یہ تھا کہ چند داتا اور سخی آدمی جمع ہو کر ایک اونٹ خریدتے اور قصائی کو بلاتے وہ اس کو ذبح کر کے برابر برابر اس کے دس حصے کر دیتا۔ حصوں کی ترتیب و تقسیم اس طرح پر تھی کہ دونوں شانوں اور دونوں بازو اور دونوں رانوں کے علیحدہ علیحدہ دو دو حصے قرار دیئے جاتے۔ اور یہ کل چھ حصے ہو جاتے یعنی ان چھٹوں اجزاء میں سے ہر ایک جزو کا ایک حصہ ہوتا۔ پھر باقی چار حصے یوں ہوتے۔ سینہ ایک حصہ۔ کندھا ایک حصہ۔ ریلجا یعنی گویاں سے چوڑوں تک ایک حصہ چوڑا ایک حصہ۔ رانوں کے ساتھ گردن کے ہرے اور پہلو کے وہ اطراف بھی شامل ہوتے تھے جو پہلیوں کے متصل ہوتے ہیں۔ پھر گویاں اور جگر اور دونوں پہلوؤں اور گوشت کے ٹکڑوں سے جو کچھ بچتا۔ وہ دسوں حصوں پر برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ سب حصہ برابر ہو جاتے۔

جب دسوں حصے برابر ہو جاتے تو فقط ایک ہڈی بچ رہتی جو کسی حصے کے ساتھ نہیں مل سکتی تھی اگر قصائی چاہتا تو وہ اسے لے لیتا اور نہ وہ قبیلہ کے فقراء و مساکین کا حق سمجھی جاتی جو بے بازوؤں میں سے اسے کوئی نہ لیتا۔ کیونکہ ہر کو اپنا ان کے نزدیک موجب ننگ و عار تھا اس ہڈی کا نام ان کے یہاں ریم تھا۔ اس کے بعد فقط سری پائے باقی رہ جاتے جنہیں قصائی اپنی اجرت میں سے لیتا۔

جب اس طرح پراونٹ کے دس حصے ہو جاتے تو جو بے بازو جمع ہوتے۔ اور جو بے بازو پائے جنہیں وہ لوگ قداح اور ازلام اور اقلام کہتے تھے منگائے جاتے۔ یہ پائے درخت نیچ کی لکڑی کے بنے ہوتے صاف چھلے ہوئے۔ زندہ کئے ہوئے اور لمبائی چوڑائی میں سب برابر ہوتے تھے۔ ان پائوں کی تعداد دس تھی جن کے ناموں کی تفصیل یہ ہے۔ فذ۔ توام۔ رقیب۔ جلس۔ ناض۔ مہل۔ معالی۔ منج۔ منج۔ وعذ۔

جوں کے
پائے

ان میں سے فذ سے لیکر معالی تک ہر ایک کے ترتیب وار حصے مقرر تھے یعنی فذ کا ایک۔ توام کے دو۔ رقیب کے تین۔ جلس کے چار۔ ناض کے پانچ۔ مہل کے چھ۔ معالی کے سات۔ اخیر کے تین۔ منج۔ منج۔ اور وعذ کا کوئی حصہ مقرر نہیں تھا جس پائے کے ہر قدر حصے تھے اس پر اتنے ہی نقطے تھے۔ اور جس پائے کا حصہ نہ تھا اس پر نقطہ بھی نہ تھا۔ شیخ ابن عجب بنے

ان کو ان کے حصوں کی ترتیب کے مطابق ان اشعار میں نظم کیا ہے ۔
 جَوے کے پائے ۔ فذ ۔ توام ۔ رقیب ۔ جلس ۔ نافس
 مبل ۔ معلى ۔ وغد ۔ منیع ۔ اور سفیع ہیں اخیر کے تینوں کا
 حصہ مقرر نہیں ہے ۔ اور ان کے سوا سات کے حصے مقرر
 ہیں ۔ ہر ایک کا حصہ ترتیب وار ایک ایک بڑھتا چلا
 گیا ہے ۔

ہی فذو توام و رقیب
 ثم جلس و نافس ثم مبل
 و المعلى و الوغد ثم منیع
 و سفیع هذا الثلاثة تمل
 وکل مما سواها نصیب
 ضعفه ان عدد د اول دل

پانوں کا
 تاوان

اول یعنی فذ کے لئے اس کی کامیابی کی صورت
 میں ایک حصہ مقرر تھا ۔ اور اس کی ناکامیابی کی صورت میں اس پر ایک حصہ کا تاوان تھا اسی
 طرح معلى تک ترتیب وار باقی پانوں کا حال تھا یعنی کامیابی کی صورت میں جس پائے کے
 جتنے حصے مقرر تھے ۔ ناکامیابی کی صورت میں اتنے ہی حصوں کا اس پر تاوان پڑتا تھا مثلاً
 معلى جو ساتواں پانسا تھا ۔ کامیابی کی صورت میں اس کے سات حصے مقرر تھے ۔ اسی طرح اس
 کی ناکامیابی کی صورت میں اس پر سات ہی حصے کا تاوان بھی پڑتا تھا ۔ پائے کے کامیاب اور
 ناکامیاب ہونے کے یہ معنی ہیں ۔ کہ جو پانسا پڑتا وہ کامیاب ہوتا اور جو نہ پڑتا وہ ناکامیاب رہتا
 تین پائے پہلے یعنی منیع ۔ سفیع ۔ اور وغد جن کا نہ کوئی حصہ مقرر تھا ۔ اور نہ ان پر کوئی عطا
 تھی اس واسطے زیادہ کئے جاتے تھے کہ پانسا ڈالنے والے کے ذمے کسی قسم کی تہمت عاید
 نہ ہو ۔ اور اس پر کسی کی دوستی یا رعایت کا الزام نہ لگایا جائے ۔

جب پائے اور جَوے باز حاضر ہو جاتے تو ہر ایک جوے باز اپنے مرتبہ اور حیثیت کے
 مطابق ان میں سے ایک پانسا لے لیتا جس کی حالت فذ سے بھگدڑ کی متقاضی نہ ہوتی وہ
 فذ لے لیتا اور سمجھتا کہ اگر میرا پانسا پڑ گیا تو مجھے ایک حصہ کافی ہے ۔ اور اگر نہ پڑا تو مجھے فقط ایک
 ہی حصہ کا تاوان دینا پڑے گا جس کا ادا کرنا مجھے چنداں دشوار نہیں ہے ۔ کوئی جو میرا اور رتو
 والا ہوتا ۔ وہ معلى یعنی سات حصوں والا پانسا لے لیتا ۔ اسے اس بات کی کچھ پرواہ نہ ہوتی کہ اگر
 میں ناکامیاب رہا اور میرا پانسا نہ پڑا تو مجھ کو تاوان کے سات حصے دینے پڑیں گے کیونکہ اس کو

اس قدر تاوان دینا کچھ بھاری نہ تھا۔ وہ اگر کامیاب ہوتا اور اس کا پانسہ پڑ جاتا تو سب سے بڑا حصہ پاتا۔ اور اگر ناکامیاب رہتا تو اس کو سب سے زیادہ تاوان دینا پڑتا کوئی کوئی داتا اور سخی ایسا بھی ہوتا جو معنی اور اس کے ساتھ ایک اور پانسہ بھی لے لیتا لیکن یہ اکثر اس صورت میں ہوتا تھا۔ جب جوئے بازوں کی تعداد وہاں سے کم ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں وہ اپنے پانسے کے علاوہ بچے ہوئے پانسے کو لے لیتا اور جوئے بازوں سے کہتا کہ میں تمہاری مقدار پوری کر دی راسی بارہ میں مسم بن لویرہ اپنے بھائی مالک کی تعریف کرتا ہے۔

اذا حضر القوم القدام و اوقدت
نہر نار البسار کفی من تضجعا
جب جوئے بازوں میں پانسے آتے تھے اور
جوئے کے لئے ان کی آگ جلتی تھی تو وہ اس شخص

کا بوجھ اٹھا لیتا تھا جو جوئے میں حصہ نہیں لیتا تھا یعنی جوئے میں جو پانسہ باقی رہ جاتا تھا۔ اور اسے کوئی نہ لیتا تھا وہ لئے لیتا تھا۔ اور جوئے بازوں کے پانسوں کی تعداد پوری کر دیتا تھا۔

جب ہر ایک جوئے باز ایک ایک پانسہ لے لیتا تو وہ سب پانسے ایک اور آدمی کو دیدے جاتے جو جوئے میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ اس شخص کو حرضہ کہتے تھے۔ یہ جوئے بازوں کا امین ہوتا تھا اور یہی ان کے لئے پانسے پھینکتا تھا۔ یہ شخص گوشت کبھی اپنے داسوں سے نہیں کھاتا تھا۔ ہمیشہ دوسرے ہی لگوں کے گھر سے کھاتا تھا۔ یا جوئے باز اس کو ہدیہ بھیجتے تھے۔

جو اچھوتہ اکثر رات کو کیٹے تھے اس واسطے اس کے لئے آگ بھی جلاتے۔ اور حرضہ کو پانسے دینے سے پیشتر ایک نہایت سفید کپڑا جس کو وہ لوگ بچول کہتے تھے۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر لپیٹتے۔ اس کپڑے کی علت غائی یہ ہوتی تھی کہ اس سے اس کی نظر چھپ جاتی تھی۔ اور زید و عمرو کے پانسے میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی پیشانی پر بھی تیرہ کا ایک ٹکڑا لپیٹتے۔ تاکہ اگر جوئے بازوں میں سے اس کا کوئی دوست ہو تو اس کے ذریعہ سے اس کے پانسے کو نہ پہچان سکے۔ یہ سب انتظام اس واسطے کیا جاتا تھا کہ وہ کسی کی دوستی

سے دیکھ کر بلوغ العرب فی احوال العرب جلد سوم

پانسے دینے کا طریق

یا موت کی وجہ سے پائے پھینکنے میں خیانت نہ کر سکے ۛ

الغرض حرضہ تمام پائے بغیر اس کے کہ ان کی طرف دیکھ لے لیتا۔ اور ان کے پھینکنے کے لئے ایک جگہ بیٹھ جاتا۔ اس کی پیٹھ کے پیچھے ایک اور شخص جسکو وہ لوگ رقیب اور ربائی انصرباد کہتے تھے بیٹھتا۔ اور جوئے باز اس کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ یہ شخص جسے وہ رقیب کہتے تھے حرضہ کی پیٹھ پیچھے اس لئے بیٹھا یا جاتا تھا کہ پانسوں کی حفاظت کرے۔ اور جو پانسہ پڑے اس کی جوئے بازوں کو اطلاع دے۔ پانسہ پڑنے کے باب میں جوئے باز اسی کے قول کا اعتبار کرتے تھے ۛ

جب اس طرح پر حرضہ اور رقیب اور جوئے باز بیٹھ جاتے تو اس وقت حرضہ پائے پھینکتا جو پانسہ پڑتا حرضہ اس کو فوراً اٹھا کر رقیب کے ہاتھ میں دیدیتا۔ اور خود اس کی طرف نہ دیکھتا۔ رقیب اس کو دیکھ کر جس کا ہوتا اس کو دے دیتا۔ وہ اونٹ کے ان دس حصوں میں سے اتنے حصے لے لیتا۔ جتنے اس پائے کے ہوتے۔ اگر وہ پانسہ فذ ہوتا تو اس کا مالک ایک حصہ۔ تو ام ہوتا تو اس کا مالک دو حصے رقیب ہوتا تو اس کا مالک تین حصے۔ چلے ہوتا تو اس کا مالک چار حصے۔ نافس ہوتا تو اس کا مالک پانچ حصے۔ بٹبل ہوتا تو اس کا مالک چھ حصے اور علی ہوتا تو اس کا مالک سات حصے لیتا۔ اس کا نام ان کی اصطلاح میں پائے کا کامیاب ہونا تھا ۛ

اس کے بعد اس شخص کو اختیار چل ہوتا تھا۔ اگر چاہتا اپنے حصے لیکر رک جاتا۔ اور دوبارہ جوئے میں شریک نہ ہوتا۔ اور اگر چاہتا دوسرے حصے پر پھر اپنا پانسہ ڈالنے کو دے دیتا۔ اس دوبارہ پانسہ ڈالنے کا نام ان کے یہاں تثنیہ تھا ۛ

جس کا پانسہ پہلی دفعہ پڑا تھا اگر وہ پھر شریک نہ ہوتا۔ تو حرضہ باقی پانسوں کو باقی حصوں پر ڈالتا دوسری دفعہ جس کا پانسہ پڑتا۔ اس کو بھی پہلے کی طرح اختیار تھا۔ اگر چاہتا اپنے حصے لیکر علیحدہ ہو جاتا۔ اور چاہتا تو اپنا پانسہ دوبارہ ڈالنے کو دے دیتا اگر وہ بھی اپنا حصہ لے کر علیحدہ ہو جاتا۔ اور پھر شریک نہ ہوتا۔ اور گشت کے کچھ حصے بچ رہتے تو حرضہ باقی پانسوں

ۛ ویکھ بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۳ ۛ

کو باقی حصوں پر پھر ڈالتا۔ اگر تیسری دفعہ بھی گوشت کے کچھ حصے بچ رہتے تو باقی پانسوں کو باقی حصوں پر چوتھی مرتبہ ڈالتا حتیٰ کہ کسی مرتبے میں گوشت کے کل حصے ختم ہو جاتے۔
اب فرض کرو کہ پہلی دفعہ جب پانے ڈالے گئے تو فذ پڑا۔ اور اس کا مالک اپنا ایک حصہ لیکر جو اس کے پانے کا تھا علیحدہ ہو گیا۔ اور دوبارہ جوئے میں شریک نہ ہوا جب دوسری دفعہ باقی نو پانے ڈالے گئے تو توام پڑا اور اس کا مالک بھی اپنے دو حصے لیکر علیحدہ ہو گیا۔ اب اونٹ کے کل سات حصے باقی رہ گئے۔ جب تیسری دفعہ پانے ڈالے گئے تو معلیٰ پڑا۔ اس کے مالک نے اونٹ کے باقی ماندہ سات حصے لے لئے۔

اس صورت میں اونٹ کے دسوں حصے تین دفعہ پانے ڈالنے میں ختم ہو جاتے۔ اور تاوان یعنی اونٹ کی قیمت ان لوگوں کو دینی پڑتی جن کے پانے محروم جاتے۔ اور وہ چار شخص ہیں یعنی رقیب۔ جلس۔ نافس۔ اور مُسبل والے۔ چونکہ ان چاروں پانسوں کے کل اٹھارہ حصے تھے اس لئے اونٹ کی قیمت اٹھارہ حصوں پر تقسیم ہو جاتی۔ اور ان پانسوں والوں میں سے ہر پانے والے کو اتنی حصوں کی قیمت دینی پڑتی جتنے حصے اس کو اس کے پانے کی کامیابی کی صورت میں ملتے یعنی رقیب والے کو تین حصوں کی۔ جلس والے کو چار حصوں کی۔ نافس والے کو پانچ حصوں کی۔ اور مُسبل والے کو چھ حصوں کی۔ اب فرض کرو کہ پانے تقریب سے نہ پڑتے بلکہ پہلی دفعہ رقیب۔ اور دوسری دفعہ معلیٰ پڑتا۔ تو اس صورت میں رقیب والا اپنے تین حصے لے لیتا اور معلیٰ والا سات۔ ان دو پانسوں میں اونٹ کے دسوں حصے ختم ہو جاتے اور تاوان پانچ شخصوں پر پڑتا جنکے پانے محروم جاتے۔ یعنی فذ۔ توام۔ جلس۔ نافس۔ اور مُسبل والوں پر چونکہ ان پانچوں پانسوں کے سهام کا مجموعہ بھی اٹھارہ ہے۔ اس لئے اس صورت میں بھی اونٹ کی قیمت اٹھارہ حصوں پر تقسیم ہو جاتی۔ اور ہر شخص کو اتنے حصوں کی قیمت دینی پڑتی جتنے اس کے پانے کے مترتفہ اگر پانے اس ترتیب سے بھی نہ پڑتے۔ بلکہ پہلی ہی دفعہ معلیٰ پڑتا۔ تو اس کا مالک اونٹ کے سات حصے لے لیتا۔ اس صورت میں وہ ایک اور اونٹ ذبح کرتے کیونکہ ان پانسوں میں جو پہلی دفعہ محروم گئے مُسبل بھی ہے جس کے چھ حصے ہیں اور گوشت کے کل تین ہی حصے باقی رہے جب دوسرا اونٹ ذبح کر لیتے تو اب گوشت کے تیرہ حصے ہو جاتے کیونکہ تین پہلے اونٹ میں سے

بچے ہوئے ہوتے اور دس دوسرے کے۔ جب ان تیرہ حصوں پر باقی ماندہ پائے ڈالے جاتے اور سبیل پڑتا تو اس کا مالک اپنے چھ حصے لے لیتا۔ جن میں سے تیس پہلے اونٹ کے بچے ہوئے ہوتے۔ اور تین دوسرے سے۔ اس صورت میں سبیل والا پہلے اونٹ کے تاوان میں شریک ہوتا۔ کیونکہ چھ حصے جو اس کے مقرر تھے وہ اس کو پہلے اونٹ میں سے نہیں ملے۔ لیکن دوسرے اونٹ میں اس پر کچھ تاوان عائد نہ ہوتا۔ کیونکہ اس میں اس کا پانسا کامیاب ہو گیا۔ دوسرے اونٹ میں تاوان ان کو دینا پڑتا۔ جن کے پائے اس میں محروم جاتے۔ یہ تاوان بھی اسی حساب سے پڑتا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

اب ان دو پائسوں میں پہلا اونٹ تو بالکل ختم ہو جاتا۔ اور دوسرے اونٹ میں سے سات حصے باقی رہ جاتے جن پر باقی پائے ڈالے جاتے۔ اگر ناض پڑتا تو اس کا مالک اپنے پانچ حصے لے لیتا۔ اور سبیل والے کی طرح اسے بھی فقط پہلے اونٹ میں تاوان دینا پڑتا۔ دوسرے اونٹ میں اس پر تاوان نہ پڑتا۔ کیونکہ پہلے اونٹ میں اس کا پانسا کامیاب رہا تھا۔ اور دوسرے اونٹ میں کامیاب ہو گیا۔

اب گوشت کے فقط دو حصے باقی رہ جاتے۔ اور پائسوں میں ابھی عیس باقی رہتا جن کے چار حصے مقرر تھے۔ اس لئے وہ ایک اور اونٹ فسخ کرتے۔ تاکہ اس کے لئے چار حصے پورے ہو جائیں۔

جب تیسرے اونٹ کو فسخ کر لیتے۔ تو اب گوشت کے بارہ حصے ہو جاتے جن میں سے دوسرے اونٹ کے بچے ہوئے ہوتے۔ اور دس تیسرے کے۔ جب ان بارہ حصوں پر باقی پائے ڈالے جاتے۔ اور عیس پڑتا تو اس کا مالک اپنے چار حصے لے لیتا جن میں دو حصے دوسرے اونٹ کے بقیہ ہوتے۔ اور دو تیسرے میں سے۔ اس کو بھی فقط پہلے اونٹ میں تاوان دینا پڑتا۔ دوسرے اونٹ میں اس پر کچھ تاوان عائد نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کے دو حصوں میں اس کا پانسا کامیاب ہو گیا اور جب قدر پائے باقی رہے ہیں ان کے لئے کافی حصے موجود ہیں۔ دوسرے اونٹ کا تاوان ان لوگوں پر پڑتا جن کے پائے اس میں خالی جاتے۔ اب تیسرے اونٹ میں سے آٹھ حصے باقی رہ جاتے۔ ان پر باقی پائے ڈالے جاتے۔

غرض جب تک حصے والا کوئی پانسا بھی باقی رہتا برابر پانسنے ڈالتے رہتے۔ یہاں تک کہ ان کے پانسنے اونٹ کے حصوں کی مطابق پڑتے۔ اگر گوشت کے حصے پانسنوں کے حصوں کے مطابق ہوتے تو انہیں اور اونٹ کے ذبح کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور اگر تمام پانسنے پڑ جاتے اور گوشت کا کوئی حصہ بچ رہتا۔ تو وہ قبیلہ کے فقراء و مساکین کا حق ہوتا۔ اگر وہ شخص جس کا پانسا ایک مرتبہ کامیاب ہو جاتا دوبارہ اپنا پانسا ڈلواتا اور اس بار ناکامیاب رہتا تو اس کو اسی حساب کے بموجب جو پہلے مذکور ہو چکا اس اونٹ کی قیمت میں تاوان دینا پڑتا جس میں اس کا پانسا خالی جاتا۔

جس اونٹ میں جس شخص کا پانسا خالی جاتا تھا وہ اس کے گوشت میں سے کوئی بوٹی نہیں کھاتا تھا۔ کیونکہ یہ امر ان کے یہاں نہایت قبیح اور معیوب گنا جاتا تھا۔ عرب کے مالدار اور سخی چونکہ بیشتر قحط کے موسم میں جو کھیتے تھے، اور جو حیت جاتا تھا۔ وہ اونٹ کے حصے فقراء و مساکین کو دے دیتا تھا جس کے سبب وہ لوگ جی جاتے تھے اس لئے جو جوئے کے پلے لیتا تھا۔ اہل عرب اس کی تعریف کرتے تھے۔ اور جو جوئے نہیں کھیتا تھا۔ اس پر عیب لگاتے تھے۔ اور اس کو برم یعنی کنجوس کہتے تھے۔ متم بن نویرہ اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں کہتا ہے

ولا برم تقدي النساء لعسہ اذا
القشع من برد الشتاء تقققاً

جب چمڑے کے ٹیپوں پر پڑ پڑ قحط کے اولوں کے
گرنے کی آواز آتی تھی۔ تو ایسے وقت میں وہ جوئے

سے علیحدہ نہیں رہتا تھا کہ اور عورتیں اس کی دامن کو ہدیہ پہنچتی ہوں۔ حنربن خالد حاسی اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ

واذا هلكت فلا تریدی عابجراً
غسلاً ولا برماً ولا معزلاً

جب میں مر جاؤں تو میرے بعد تو کسی عاجز و ضعیف
اور نالایق سے نکاح نہ کرنا۔ اور نہ جوئے سے علیحدہ

رہنے والے سے۔ اور نہ نہتے سے۔

جوئے کی ایک اور قسم تھی جس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص باریک مٹی یا ریت کی ایک ٹہنی

لے بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳

ڈھیری میں کوئی شے چھپا دیتا۔ پھر اس کو برابر دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کی دو ڈھیریاں بنا دیتا۔ اور دوسرے شخص سے پوچھتا کہ بتلاؤ وہ شے جو میں نے چھپائی ہے۔ کوئی ڈھیری میں ہے۔ اس میں دونوں طرف سے کچھ روپیہ بداجاتا۔ جانب مقابل قیاس یا اکل سے کسی ایک ڈھیری میں بتلا دیتا۔ اگر وہ شے اسی ڈھیری میں نکلتی جس میں وہ بتلاتا تو جیت جاتا اور شرط کا روپیہ اپنے حریف سے وصول کر لیتا۔ ورنہ ہار جاتا اور شرط کا روپیہ اسے اپنے حریف کو دینا پڑتا۔

اصل میں یہ لڑکوں کا ایک کھیل ہے۔ جسکو عربی میں قتال۔ غاری میں خاکبازی۔ ہندی میں سواکودوں اور کوڑی زقند کہتے ہیں۔ خاکبازی سے جامی کے اس شعر میں سے

ولاتا کے دریں کاخ مجازی کنی مانند طفلان خاکبازی

یہی کھیل مراد ہے۔ لیکن عرب کے سوا جہاں کہیں بھی اس کھیل کا رواج تھا۔ صرف لڑکوں تک محدود تھا۔ عرب میں لڑکوں کی کچھ خصوصیت نہ تھی۔ وہاں لڑکے بالے اور بڑے بوڑھے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے تھے۔

عرب کے نامور شاعر طرفہ بن عبد بکری نے اس جوئے کا ذکر اپنے معلقہ میں کیا ہے وہ کہتا ہے۔

ان کشتیوں کے سینے اُن ہنجد دھاروں میں۔
بڑے گہرے پانی کو اس طرح چیرتے ہیں۔ جیسے

یشق جناب الماء حیزو مہا بہا
لما شتم التراب المفاصل بالید

کوڑی زقند کھیلنے والا مٹی کو ہاتھ سے دو حصے کر دیتا ہے۔

یہ جاہلیت کے جوئے کی کیفیت تھی جو مختصر طور پر بیان کی گئی۔ چونکہ اس میں بہت سے مفاسد پائے جاتے تھے۔ جو کسی عاقل پر مخفی نہیں ہیں۔ جوئے باز لوگوں کا بال باطل کے ساتھ کھاتے تھے۔ اور بعض اوقات جوئے کے سبب سے آپس میں دشمنی اور عداوت ہو جاتی تھی۔ بعض لوگ بالکل مفلس اور قلابچ ہو جاتے تھے۔ اور جب کچھ پاس نہیں ہوتا تھا تو آخر کار جوڑی پر نیت دہرتے تھے۔ جو پرے درجہ کی بے غیرتی تھی۔ اس لئے شریعت غرار اسلام نے جو تمام یہودہ اور لغو رسموں کے مٹانے اور انسانوں کو تیز سکھانے اور مہذب بنانے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس فعل شنیع کو عیس و ناپاک اور حرام قرار دیا ہے۔ اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا أَخْرَجْنَا الْمَيْسِرَ الْأَنْصَابَ
وَالْأَزْكَاهُ مِنْكُمْ عَلَى الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ

مسلمانوں! شراب اور جوا اور بت اور استخارہ
کے پانے یہ سب ناپاک اور شیطانی فعل

ہیں سو تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

استقسام بالازلام

(یعنی استخارے کے پانے ڈالنا)

جاہلیت کی مشہور رسموں میں سے ایک رسم استقسام بالازلام یعنی استخارے کے پانے
ڈالنا تھی جس کی صورت یہ تھی کہ جب وہ لوگ سفر تجارت جنگ نکاح بختہ بیع بناء
مکان وغیرہ امور کا قصد کرتے یا ان کے درمیان کسی بڑی بات مثلاً قتل دیت نسب وغیرہ
امور میں اختلاف ہوتا اور اس کا فیصلہ کرنا چاہتے تو سودرہم لیکر ہبل بت کے پاس جاتے جو
کلمے میں قریش کا سب سے بڑا بت تھا اور خانہ کعبہ میں نصب تھا وہ سودرہم پانے ڈالنے والیکو
دیدیتے اور اس سے پانے ڈالنے کی درخواست کرتے یہ ایک شخص ہوتا تھا جو خانہ کعبہ میں بطور
مجاوروں کے رہتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور بتوں کی محافظت کرتا تھا اس کے پاس سات
ازلام یعنی پانے رہتے تھے یہ سب پانے مقدار میں برابر تھے جن میں سے ایک پر امر بنی بنی
دوسرے پر نہانی بنی تیسرے پر منکم دے چوتھے پر من غیر کم پنچویں پر ملصق چھٹے پر اصل کہا
ہوا تھا اور ساتواں سادہ تھا اس پر کچھ نہیں لکھا تھا چونکہ یہ شخص ان پانسوں کا مالک و محافظ
تھا اور اکثر یہی لوگوں کے لئے پانے ڈالتا تھا اس لئے اس کو صاحب القداح اور امین القداح
کہتے تھے۔

پانے ڈالنے والے اگر یہ چاہتے کہ انہیں آئندہ کی خبر مل جائے اور جس کام کا انہوں نے
ارادہ کیا ہے اس کا نیک و بد انجام معلوم ہو جائے تو امین القداح امر و نہی کے دو پانے ڈالتا
اگر امر والا پانسا نکلتا تو سمجھتے کہ کام چھتیس ہے اور جس کام کا ارادہ ہوتا اس کو بڑی خوشی سے
کرتے اور اگر نہی والا پانسا نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیتے اور سال بھر تک اس کے پاس نہ جاتے

جب پورا سال گزر جاتا تو پھر دوبارہ اس کام کے لئے پائے ڈالوتے۔ غرض جب تک امر کا پائنا نہ نکلتا اس کام کو نہ کرتے۔

اگر ان کے درمیان کسی کے نسب میں جھگڑا ہوتا اور اس کا فیصلہ پائوں کے ذریعے سے چاہتے۔ تو این قدح وہ تین پائے ڈالتا جن پر منکم۔ اور من غیر کم۔ اور ملصق لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اگر منکم والا پائنا نکلتا تو اس آدمی کو جس کے نسب میں انہیں اشتباہ ہوتا اور اس کے بارہ میں جھگڑتے نہایت عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اس کی انتہا درجہ کی تعظیم و تکریم کرتے۔ اور اگر من غیر کم والا پائنا نکلتا تو اس سے سخت نفرت کرتے اور علیحدہ ہو جاتے۔ اگر ملصق والا پائنا نکلتا تو وہ آدمی ان کے نزدیک ویسا ہی مجہول النسب باقی رہتا جیسا پہلے تھا۔ غرض ان تینوں پائوں میں سے جو نسا پائنا نکلتا اسکے بموجب عمل واجب جانتے اور اس پر پورا اعتماد کرتے۔

اگر ان کے درمیان مقتول کی دیت میں اختلاف ہوتا یعنی اس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا۔ اور کسی ایک یا چند آدمیوں پر اس کے قتل کا شبہ ہوتا۔ تو جن پر قتل کی تہمت ہوتی انکو این القدح کے پاس لے جاتے۔ این القدح وہ دو پائے ڈالتا جن میں سے ایک عقل لکھا ہوا ہوتا تھا اور ایک سادہ جس کے نام پر عقل والا پائنا نکلتا اس کو دیت کا بوجھ اٹھانا پڑتا۔ اگر سادہ نکلتا تو دوبارہ ڈالتا یہاں تک کہ کسی نہ کسی کے نام عقل والا پائنا نکلتا۔ ان پائوں کے ڈالنے کا طریق یہ تھا کہ این القدح ان کو ایک تھیلے یا نلکے میں ڈالتا تھا پھر اس میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک سے نکال لیتا تھا۔

واضح ہو کہ جاہلیت میں پائے تین قسم کے تھے۔ ایک جوے کے جو تعداد میں دس تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسرے وہ جو ہر آدمی کے پاس رہتے تھے۔ یہ تین ہوتے تھے جنہیں سے ایک پر فعل۔ دوسرے پر لا فعل لکھا ہوتا تھا۔ اور تیسرا سادہ ہوتا تھا جب آدمی کوئی معمولی کام کرنا چاہتا تو خود انہیں ایک تھیلے میں ڈالتا اور پھر اس میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک نکالتا۔ فعل والا نکلتا تو وہ کام کرتا اور لا فعل والا نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیتا اور اگر سادہ نکلتا تو دوبارہ ڈالتا۔

تیسری قسم کے پائے وہ تھے جن سے فیصلے کئے جاتے تھے۔ وہ کعبہ کے متولی کے پاس رہتے تھے۔ اور فقط اہم امور میں ڈالے جاتے تھے۔ کعبہ کے علاوہ عرب کے ہر کاہن اور حاکم کے پاس بھی یہ پائے رہتے تھے۔ ابو الفرج صہبانی کہتے ہیں کہ لوگ کعبہ کی طرح ذی الخصلہ کے پاس بھی پائے ڈالتے تھے چنانچہ امر القیس شاعر جب اپنے باپ کا قصاص لینے کے ارادہ سے نکلا تو اس نے ذی الخصلہ کے پاس پائے ڈالے۔ اور اس کے خلاف طبع پائنا نکلا۔ اس نے بت کو گالی دی اور ایک پتھر مارا اور یہ شعر پڑھا ہے

لو كنت يا ذا الخصل الموتوسرا

لو تند عن قتل العداة زودا

اے ذوالخصلہ اگر میری طرح تجھے صدمہ پہنچا ہوتا تو تو فریب دیکر دشمنوں کے قتل سے منع نہ کرتا۔

کہتے ہیں کہ امر القیس کے بعد اسلام کے زمانہ تک پھر کسی نے ذوالخصلہ کے پاس پائنا نہیں ڈالا۔

جب آفتاب اسلام طلوع ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس فعل قبیح کو حرام فرمایا اور فرمایا کہ یہ فعل منجملہ فسق کے ہے کما قال تعالیٰ۔

یعنی جو جانور کسی تھان پر ذبح کیا جائے وہ۔ اور پائے ڈالنا حرام ہے اور یہ منجملہ فسق کے ہے۔

وَمَا ذِي بَرٍّ عَلَى النَّصَبِ وَأَنْ

لَتَسْقِيَهُمْ بِالْحَنَنِ لَأَمْرٌ ذَلِكُمْ فَسَقٌ

سانڈ چھوڑنے کی رسم

جاہلیت کی مشہور اور قبیح رسموں میں سے ایک رسم سانڈ چھوڑنا تھی جس کی بنیاد سب سے پہلے عمر بن لُحی خزاعی نے ڈالی تھی۔ اس بد بخت نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے دین میں بہت سی بدعتیں نکالیں اور اہل عرب کو ان بدعتوں پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور اس کی سنی و کوشش سے بہت سی مذہب اور قبیح رسمیں اہل عرب کے دین میں داخل ہوئیں عرب جاہلیت اپنے معبودوں کے نام پر چار قسم کے سانڈ چھوڑتے تھے۔ بحیرہ۔ ساتھ و صیلہ۔ حام۔

بحیرہ بحر سے مشتق ہے جسکے معنی چیرنے اور شق کرنے کے ہیں۔ اس کی چند قسمیں تھیں۔ ایک یہ کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن چکتی اور اخیر کا بچا نہ ہوتا تو اس اونٹنی کا کان چیر کر اس کو چھوڑ دیتے۔ نہ اس کو ذبح کر سکتے۔ اور نہ اس پر سوار ہو سکتے۔ نہ اسے کوئی پانی سے ہٹا سکتا اور نہ چراگاہ سے روک سکتا یہ تفسیر بحیرہ کی زجاج نے بیان کی ہے۔

دوسری قسم بحیرہ کی یہ تھی کہ اگر اونٹنی پانچواں بچا نہ دیتی تو اسے ذبح کر کے کھا لیتے اور اگر مادہ دیتی تو اس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے۔ جہاں اس کا جی چاہتا چرتی پھرتی نہ کوئی اس کا دودھ دہتا۔ اور نہ کوئی اس پر سوار ہو سکتا اور نہ اس سے اور کسی قسم کی خدمت لے سکتا۔ بعض اُس بکری کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے جو پانچ بچے مالدین دیدیتی تھی۔ بعض اونٹنی کو پانچ اور بعض سات اور بعض دس بچے دینے کے بعد اُس کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے بعض اونٹنی کے پہلوئے زبچہ کا کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے غرض یہ جانور بحیرہ کہلاتا تھا اور اس کو بتوں کے نام پر چھوڑا جاتا تھا۔ اس پر سب کا اتفاق تھا کہ اس سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے تھے۔ لیکن اس کے گوشت اور دودھ میں ہر قبیلہ کی علیحدہ علیحدہ رسمیں تھیں۔ بعض اس کا گوشت اور دودھ بالکل حلال نہیں جانتے تھے۔ نہ مردوں کے لئے اور نہ عورتوں کے لئے۔ بعض صرف عورتوں کے لئے حلال نہیں جانتے تھے۔ لیکن اگر وہ مر جاتا تو اس کے گوشت کی عورتوں کو بھی کچھ مانعت نہ تھی۔ مرد اور عورت سب اس کا گوشت کھاتے۔ بعض کا یہ مذہب تھا کہ زندگی میں تو اس کا گوشت کسیکو درست نہیں لیکن مر جاتے تو مردوں کو اس کا کھانا درست ہے عورتوں کو جب بھی نہیں ہے۔

سائبہ۔ اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اونٹنی دس بچے مالدین دے چکتی تو اس کو خدمت سے آزاد کر دیتے۔ نہ کوئی اس پر سوار ہوتا۔ نہ اس کے بال کاٹتا اور نہ سوائے مہمان اور مسافر کے کوئی اس کا دودھ پیتا۔ ابن عباس اور ابن سعد و فیہم عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ وہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو بتوں کے نام پر نامزد کی جاتی اور خانہ کعبہ کے محاوروں کو دیدی جاتی تھی۔ سوائے مسافر و محتاج کے کوئی اس کا دودھ نہ پیتا تھا۔ بعض

کہتے ہیں وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جو اپنے بچے کا بچا دیکھ لیتا تھا اس کو وہ لوگ چھوڑ دیتے تھے اور کوئی اس پر سوار نہیں ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی دور کے سفر سے واپس آتا۔ یا اس کا جانور مشقت یا لڑائی سے نجات پاتا تو اس کو آزاد کر دیتا اور اس کی کمر چیر کر اس میں سے ایک مہرہ یا ہڈی نکال لیتا۔ نہ کوئی اسے اپنے پانی سے ہٹاتا نہ چراگاہ سے روکتا اور نہ اس پر سوار ہو سکتا۔ گویا یہ ان کی نذروں میں سے ایک نذر تھی جو اس وقت مانی جاتی تھی جب کوئی سفر سے آتا یا مرض سے شفا پاتا۔ یہ تفسیر ابو عبیدہ نے بیان کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ وہ اونٹنی تھی جو حج کے لئے چھوڑ دی جاتی تھی چونکہ اہل عرب ان تمام اقسام کے سائبے چھوڑتے تھے۔ اسلئے آئمہ لغت نے سائبہ کی مختلف تعریفیں بیان کیں۔ گویا یہ کل سائبہ کے اقسام ہیں یعنی کوئی قبیلہ کسی قسم کا سائبہ چھوڑتا تھا اور کوئی کسی قسم کا۔

وصیلہ۔ اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ فرار کہتے ہیں وہ وہ بکری ہوتی تھی جو چھ مرتبہ دو دو بیٹھیاں اور ساتویں مرتبہ ایک بیٹھیا اور ایک بکرا دیتی۔ جب ساتویں مرتبہ وہ ایک بیٹھیا اور ایک بکرا دیتی تو وہ اس بیٹھیا کی نسبت کہتے کہ یہ بیٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی۔ لہذا اس کی ماں کا دودھ فقط مرد ہی پئیں عورتیں نہ پئیں۔ پھر یہ بکری سائبہ کے قایم مقام بھی جاتی۔ زجلج کہتے ہیں اہل جاہلیت کا یہ طریق تھا کہ اگر بکری بکرا دیتی تو وہ بکرا اپنے معبودوں کے نام کر دیتے۔ اور اگر بیٹھیا دیتی تو اسے اپنے لئے رکھتے اور بیٹھیا اور بکرا دونوں دیتی تو کہتے کہ بیٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی پھر وہ اس بکری کو اپنے معبودوں کے نام پر ذبح نہ کرتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر بکری پہلی بار بکرا دیتی اور دوسری بار بیٹھیا تو کہتے کہ بیٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی پھر اس بیٹھیا کی وجہ سے اس کے بھائی کو بھی بتوں کے نام پر ذبح نہ کرتے۔ اور اگر دوسری بار بھی بکرا ہی دیتی تو کہتے کہ یہ ہمارے معبودوں کی قربانی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بکری سات بچے دے چکی اور ساتویں بیٹھیا ہوتی تو اس بیٹھیا کی کسی چیز سے عورتیں منتفع نہ ہو سکتیں البتہ اگر وہ مرد جاتی تو اسے مرد اور عورتیں سب کھاتے۔ اسی طرح اگر وہ ساتویں دفعہ بیٹھیا اور بکرا دونوں دیتی تو کہتے کہ بیٹھیا اپنے بھائی سے مل گئی اور وہ بیٹھیا بکری کے ساتھ چھوڑ دی جاتی اور اس سے بھی صرف مرد ہی فائدہ اٹھا سکتے عورتیں نہ اٹھا سکتیں۔ لیکن اگر وہ مرد جاتی تو اس

کے گوشت میں مرد اور عورت سب شریک ہوتے۔ ابن قتیبہ کا یہ قول ہے کہ اگر ساتواں
بکرا ہوتا تو اس کو ذبح کر کے مرد کھاتے عورتیں نہ کھاتیں۔ اور کہتے کہ یہ ہمارے مردوں کے
لئے خاص ہے۔ ہماری بیویوں پر اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اگر ساتویں بار پٹھیا ہوتی تو وہ بکریوں
میں چھوڑ دی جاتی۔ اور اگر بکرے کے ساتھ پٹھیا کو چھوڑ دیتے۔ اور اس سے فقط مرد ہی فائدہ اٹھا
عورتیں فائدہ نہ اٹھاتیں۔ لیکن اگر وہ مرجاتی تو مرد اور عورتیں سب اس میں شریک ہوتے۔ محمد بن
اسحاق کہتے ہیں کہ وہ وہ بکری ہوتی تھی جو پانچ بطنوں میں دس پٹھیاں متواتر دیتی تھی اس کے
بعد جو بچہ دیتی تھی۔ وہ خاص مردوں کے لئے ہوتا تھا۔ عورتیں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی
تھیں۔ اور اگر اس کے بعد بکرا اور پٹھیا دونوں ایک ساتھ پیدا ہوتے تو کہتے کہ پٹھیا اپنے بھائی
سے مل گئی اور بھائی کی حرمت کے لحاظ سے بہن کو بھی ذبح نہ کرتے۔ بعض کا قول ہے کہ
وہ بکری ہوتی تھی جو تین یا پانچ بار بیاتی۔ اس کے بعد اگر بکرا دیتی تو اس بکرے کو ذبح
کر لیتے اور پٹھیا دیتی تو اس کو باقی رکھتے اور اگر بکرا اور پٹھیا دونوں دیتی تو کہتے کہ پٹھیا اپنے
بھائی سے مل گئی۔ اس لئے اس کے بھائی کو بھی ذبح نہ کرتے۔ بعض کہتے ہیں وصالہ وہ اونٹنی
ہوتی تھی جو پہلی دفعہ بھی مادہ بچہ دیتی پھر اس کے بعد دوسری دفعہ مادہ ہی بچہ دیتی اور ان کے
درمیان نزاع نہ ہوتا۔ اس اونٹنی کو وہ لوگ اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور کہتے کہ مادہ
مادہ سے مل گئی اور ان دونوں کے درمیان نزاع نہیں ہوا۔ بعض کہتے ہیں وصالہ وہ اونٹنی ہوتی
تھی جو متواتر دس بیانت مادہ ہی بچے دیتی اور ان کے درمیان کوئی نزاع نہ ہوتا۔
چونکہ مختلف قبائل میں مختلف قسم کے وصالوں کا رواج تھا اس لئے اس کی تفسیر میں
بھی اختلاف ہوا۔ حال یہ ہے کہ عرب میں وصالوں کی یہ تمام قسمیں رائج تھیں۔
(حاکم) چونکہ یہ بھی چند قسم کا ہوتا تھا اس لئے اس کی تفسیر میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ فرار
کا بیان ہے کہ جب نراونٹ کی اولاد کی اولاد حاملہ ہو جاتی تو کہتے کہ اب اس اونٹ کی کمر محفوظ
ہو گئی پھر اس اونٹ کو چھوڑ دیتے۔ نہ اس کو پانی سے کوئی ہٹاتا اور نہ چراگاہ سے۔ ابن عباس
اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جس کی پشت سے دس

بچے پیدا ہو چکے۔ اس کی بہت کہتے تھے کہ اب اس کی پیٹھ محفوظ ہو گئی۔ پھر نہ اس سے لاوے
کا کام لیا جاتا تھا۔ نہ کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس کو پانی اور چراگاہ سے روکا جاتا تھا۔
یہی قول ابو عبیدہ اور زجاج کا بھی ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ وہ اونٹ ہوتا تھا جو اپنے
مالک کی اونٹنیوں سے دس سال تک جفتی کرتا رہتا تھا۔ بعض کا قول ہے کہ وہ وہ اونٹ ہوتا
تھا جسکے نطفہ سے پے درپے سات مادہ پیدا ہوتی تھیں۔ ایسے اونٹ کی پیٹھ بار برداری کی
زحمت سے محفوظ ہو جاتی تھی۔

غرض جاہلیت میں مختلف قسم کے بکروں۔ مختلف قسم کے سائبوں۔ مختلف قسم کے وسیلوں
اور مختلف قسم کے حامیوں کا رواج تھا۔ شریعت مغراء اسلام نے ان تمام بیہودہ اور لغو رسموں
کا ابطال کیا اور ان رسوم قیمہ کی قباحت و شناعة ظاہر فرمائی کما قال رب العالین۔

بکیرے اور سائے اور وسیلے اور حامی کی رسم
خدا نے مقرر نہیں کی۔ بلکہ کافر خدا پر جھوٹا بہتان

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيْلَةٍ وَلَا حَامٍ
وَلَكِنَّ الدِّينَ كَفَرًا وَافْتَرَوْا عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ وَالْكَوْهَ لَا يَعْقِلُونَ

باندھتے ہیں اور اکثر کافر بے عقل ہیں۔

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک رسم فرع اور عتیرہ تھی۔ یہ دو قربانیاں تھیں جو بتوں کے نام
پر کی جاتی تھیں۔ فرع کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک یہ کہ بکری اور اونٹ کا پہلو ٹا پچھلے بتوں کے نام پر ذبح
کر کے کھاتے اور اس کی کھال درخت پر لٹکا دیتے۔ دوسری قسم یہ تھی کہ جب کسی کے پاس اس قدر
اونٹ ہو جاتے جس قدر کی اس کو ملنا ہوتی تو ان میں سے ایک اونٹ بتوں کے نام پر ذبح کرتا۔ اسی
طرح جب کسی کے پاس پورے سو اونٹ ہو جاتے تو ان میں سے ہر سال ایک اونٹ بتوں کے نام
پر قربان کرتا۔ اور وہ اس کے گھر والے اس میں سے کچھ نہ کھاتے۔

فرع
عتیرہ

عتیرہ۔ ایک قربانی تھی جس کو ماہِ رجب میں بتوں کے لئے کرتے تھے اس کا نام رجبیر بھی ہے۔
بعض لوگ یوں بھی کرتے تھے کہ کسی کام کے ہو جانے پر بھیڑ یا بکری کے قربانی کرنے کی
منت مانتے۔ اور جب وہ کام ہو جاتا تو بھیڑ یا بکری کے بدلے ہرن ذبح کر دیتے اور اس ہرن کو
عتیرہ کہتے ہیں۔ لیکن عام طور پر لوگ اس فعل کو معیوب خیال کرتے تھے۔ کعب شاعر اپنے خاندان

لے بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۲

کی تعریف میں کہتا ہے۔ ۷

وماعتا الطباء بھی کعب

یعنی کعب کے خاندان میں کبھی ہرن ذبح نہیں کیا گیا۔

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک رسم معاقرت تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ دو شخص اپنے اپنے اونٹوں کے ذبح کرنے میں بازی بدلتے جو زیادہ اونٹ ذبح کرتا۔ وہ جیت جاتا۔ یہ بازی جو کسی طرح نہ تھی کہ اس میں کچھ مال بد جاتا۔ بلکہ وہ لوگ فخر و مباہات کی وجہ سے ایسا کرتے تھے یعنی اس سے ہر شخص اپنی فیاضی جتاتا۔ اور جیتنے والا شخص ہارنے والے پر فخر کرتا۔ اور قوم میں زیادہ مغر زگنا جاتا تھا جو اونٹ اس طرح پر ذبح کئے جاتے تھے ان کا گوشت مفلس و محتاج لوگوں کے کام آتا تھا اور اکثر ایسا قحط میں کرتے تھے۔

اسلام کے زمانہ میں بھی حضرت علیؑ کی خلافت میں ایک بہت بڑی معاقرت ہوئی تھی۔ جس کا قصہ یوں ہے کہ ایک سال قحط کی وجہ سے اہل کوفہ سخت گرسنگی میں مبتلا ہوئے جس کی وجہ سے اکثر آدمی جنگل میں نکل بھاگے۔ اور کوفہ کے بہت سے آدمی اطراف سماوہ میں جو کوفہ سے ایک دن کے راستے پر ہے جمع ہوئے۔ ان ایام میں فرزدق شاعر کا باپ غالب اپنی قوم میں بڑا رئیس تھا۔ اس نے اپنے گھر کے لوگوں کے لئے ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا تیار کیا اور اس میں سے چند کٹھرے بھر کر بنی یتیم کے لوگوں کو بھیجے۔ اور ایک کٹھرا یتیم کو بھیجا یتیم نے اس کو لیکر زمین میں الٹ دیا اور جو شخص لیکر آیا تھا اسے خوب پیٹا۔ اور کہا کہ کیا میں غالب کے کھانے کا محتاج ہوں۔ پھر یتیم نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک اونٹنی ذبح کی اگلے دن غالب اور یتیم نے دو دو اونٹیاں ذبح کیں اور تیسرے دن دونوں نے تین تین چوتھے دن غالب نے سو اونٹیاں ذبح کی چونکہ یتیم کے پاس اس قدر اونٹیاں نہیں تھیں اس لئے اس نے ایک اونٹنی بھی ذبح نہیں کیں۔ جب قحط اور گرسنگی کا زمانہ گزر گیا اور لوگ کوفہ میں واپس آ گئے تو بنی رباح نے یتیم کو طعنہ دیا اور کہا کہ تو نے ہمیشہ کے لئے ہماری ناک کٹا دی۔ تو نے غالب کے برابر اونٹ کیوں نہیں ذبح کئے۔ ہم تجھے ہر اونٹنی کے عوض دو اونٹیاں دیتے۔ یتیم نے یہ عذر کیا کہ اس وقت میرے اونٹ موجود نہیں تھے۔ پھر اس نے تین سو اونٹ ذبح کئے۔ یہ واقعہ حضرت علیؑ کی خلافت میں واقع ہوا۔ آپ نے لوگوں کو ان کا گوشت کھانے کی مانگت فرمادی اور فرمایا کہ یہ اونٹ غیر خدا

کے لئے ذبح کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذبح کرنے سے غرض فخر و مباہات ہے غرض ان اونٹوں کا گوشت کوفہ کی کوڑیوں پر ڈال دیا گیا۔ اور کتوں اور عقاب اور جلیوں کے کام آیا۔ کسی آدمی نے اس کو نہ چھوا۔

نسبی

یعنی مہینوں کو پیچھے ہٹانے کی رسم

منجملہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم نسبی بھی یعنی ماہ حرام کی حرمت کو موخر کرنا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جناب حضرت سیدنا ابراہیم اور ان کے صاحب زادے اسماعیل علیہما السلام نے خدا کے حکم سے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے تھے جن میں چار مہینے محرم۔ رجب ذیقعد۔ ذالحجہ حرمت والے قرار دئے تھے یعنی ان میں گشت و قتال حرام تھا۔ جاہلیت کے لوگ ان مہینوں کی حرمت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ان میں گشت و قتال حرام جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس میں یہ بدعت نکالی تھی کہ ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے۔ جب ان کو ان مہینوں میں سے کسی مہینے میں قتال کرنیکی ضرورت پڑتی تو اسکی حرمت کو موخر کر دیتے یعنی اس مہینے کو حلال اور دوسرے مہینے کو حرام کر لیتے۔ مثلاً محرم کا نام صفر اور صفر کا نام محرم رکھ دیتے اور کہتے کہ اس سال محرم کا مہینا نیچے ہٹ گیا ہے۔ یعنی یہ صفر ہے اور محرم صفر کے بعد آئے گا۔ اس طرح اپنی من سمجھوتی کر کے وہ محرم کو حلال کر لیتے اور صفر کو حرام۔ اگر صفر میں انہیں قتال کی ضرورت پڑتی تو اسے بھی حلال کر لیتے۔ اور اس کی بجائے ربیع الاول کو حرام کر لیتے اور کہتے کہ اس سال محرم صفر اور ربیع الاول کے بعد آئے گا۔ اسی طرح رجب میں قتال کی ضرورت پڑتی تو اس کا نام شعبان اور شعبان کا نام رجب رکھ دیتے۔ اور کہتے کہ اس سال رجب شعبان کے بعد آئے گا اور اس طرح اپنے دل کو سمجھا کر رجب کو حلال کر لیتے اور اس کی جگہ شعبان کو حرام کر دیتے اگر شعبان میں بھی قتال کی ضرورت پڑتی تو اسے بھی حلال کر لیتے اور اس کی جگہ رمضان کو حرام قرار دیتے غرض

سب مہینوں کے ساتھ اسی طرح کرتے یہاں تک کہ تحریم سال کے کل مہینوں کی طرف چکر کھانی پھرتی کبھی سال تیرہ یا چودہ مہینوں کا بنا لیتے اور ان زائد مہینوں کو حرام کرتے تاکہ قتال کے لئے انہیں وقت زیادہ ملے۔ غرض مہینوں کی حرمت کے باب میں مجرود عدد کا لحاظ رکھتے۔ نہ مہینوں معینہ کی خصوصیت کا۔

شیخ ابن حجر مفتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ عرب جاہلیت چند طرح پر مہینوں کو مؤخر کرتے تھے۔ بعض محرم کا نام صفر رکھ دیتے اور اس میں قتال حلال کر لیتے۔ اور صفر کا نام محرم رکھ دیتے اور اس میں قتال حرام کر لیتے۔ بعض ایک سال محرم میں قتال حرام جانتے اور ایک سال صفر میں۔ بعض دو سال محرم میں قتال حرام جانتے اور دو سال صفر میں۔ بعض صفر کو ربیع الاول کی طرف مؤخر کر دیتے اور ربیع الاول کو ربیع الثانی کی طرف اسی طرح سب مہینوں کے ساتھ کرتے۔ یہاں تک کہ شوال ذیقعد ہو جاتا۔ اور ذیقعد ذی الحجہ۔ پھر ذی الحجہ کے بعد ایک اور مہینا بڑھا لیتے۔

سب سے پہلے جس شخص نے نسبی کی رسم کو جاری کیا وہ ایک شخص مالک بن کنانہ کی نسل سے تھا۔ جس کا اہلی نام حدیفہ اور مشہور نام قلنس تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے۔ حدیفہ بن فہیم بن عامر بن الحارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ

ومن الناسی الشہر القلنس مہینوں کو شیچے ہٹانے والا قلنس ہمارے ہی خاندان میں

سے تھا۔

عمیر بن قیس جو مالک بن کنانہ کی نسل سے ہے کہتا ہے کہ

مجد بن عدنان کی اولاد میں مہینوں کے شیچے

ہٹانے کی رسم ہم ہی نے جاری کی ہے ہم وہ ہیں

وحن الناسیون علی معبد

شہور الحل نجعلها حراماً

مے بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۳۰۔ مے قلنس کے معنی بکر ذخار کے ہیں۔ چونکہ یہ شخص سمندر کی طرح علم سے پر تھا اس لئے اس کا یہ لقب رکھا گیا۔ پھر اس کے بعد اور بہت سے شخصوں کا یہی لقب ہوا۔ ان سب کو قلامسہ کہتے ہیں۔ مہینوں کی علت و حرمت کے باب میں اہل عرب انہیں کے قول کا اعتبار کرتے تھے۔ اور یہی مہینوں کو اولتے بدلتے اور آگے شیچے کرتے رہنے لگے۔

جو حلال مہینوں کو حرام کر دیتے ہیں ۛ
ایک اور شاعر کہتا ہے کہ ۛ

لہم ناسئ یمشون تحت لوائہ
یحمل اذا شاء الشہور ویحرم

اُن کے لئے مہینوں کو تیجے ہٹا کر ایک سردار
ہے جسکے جھنڈے تلے وہ لڑائی کے لئے چلتے ہیں۔

وہ سردار جب چاہتا ہے مہینوں کو حلال کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے ۛ
خدا تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو گمراہی اور کفر قرار دیا اور فرمایا کہ۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا
فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا
اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقِيَمُ فَلَا تَظْلُمُوْا
فِيْهِۦۤ اَنْفُسَكُمْ وَاَقْتُلُوْا الشُّرَکِيْۤا كَافَّةً كَمَا
يَقَاتِلُوْۤنَكُمْ كَافَّةً وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
الْمُتَّقِيْنَ ؕ اِنَّمَا النَّسِيْۤءُ زِيَادَةٌ فِی
الْکُفْرِ یُغْضِلُ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَ
عَامًا وَّحَرَّمَ مَوْۤنَهُ عَامًا لِّیُوْا طَوَاعِدَ
مَآحِرِ اللّٰهِ فِیْجِلُوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زِیْنَ لَہُمْ سُوْءُ
اَعْمَالِہُمْ ؕ اللّٰہُ لَا یُہْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ۔

مہینوں کی تعداد خدا کے نزدیک جس روز
نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس کی کتاب
میں بارہ مہینے قرار پا چکی ہے جن میں سے
چار مہینے حرام ہیں۔ دین کا یہی سید ہار ہے
ہے سو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ
کرو اور سب ملکر مشرکین سے لڑو جیسے وہ سب
ملکر تم سے لڑتے ہیں اور یہ جان لو کہ خدا متقیوں
کے ساتھ ہے۔ مہینوں کو تیجے ہٹانا کفر میں بڑھنا
ہے جس کا فرگمراہ ہو رہے ہیں ایک سال ایک
مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام تاکہ

جو تعداد خدا نے حرام کی ہے۔ اس کو پورا کریں اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال کر لیں ان کے
برے عمل ان کو اچھے دکھلائی دیتے ہیں اور اللہ قوم کفار کو ہدایت نہیں کرتا ۛ

واہبات و قتل اولاد

جاہلیت کی سب سے زیادہ مذموم اور قبیح رسموں میں سے واہبات اور قتل اولاد ہے۔
وادے معنی زندہ درگور کرنے کے ہیں یعنی عرب جاہلیت اپنی لڑکیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے

تھے۔ یہ بدرسم عرب کے تمام قبیلوں میں جاری تھی۔ لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے اور اولاد کے قتل کرنے میں عرب کے لوگوں کی غرضیں مختلف تھیں۔ اکثر اس لئے دفن کرتے تھے کہ بعض اوقات لڑکیوں کی وجہ سے انہیں عار لاحق ہوتی تھی۔ کیونکہ عرب میں ہمیشہ کشت و قتال اور نہیں رہنریاں ہوتی رہتی تھیں اور عام طور پر لوٹ مار جاری تھی جو فریق کسی فریق پر چڑھائی کرتا تھا۔ وہ اس کی عورتوں اور لڑکیوں کو گرفتار کر لیتا تھا اور پھر ان کے ساتھ اپنی حاجت پوری کرتا تھا۔ اس لئے ان کی حمیت اور غیرت ان کو اپنی لڑکیوں کے مار ڈالنے پر مجبور کرتی تھی۔ بقول شمس کہ خنکس کہ جہاں پاک نہ لڑکیاں ہوگی نہ ان کی وجہ سے ان کو عار لاحق ہوگی بنی تیم اور کندہ اور ربیعہ اور اکثر قبائل اسی خوف سے اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ میدانی نے اس کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ بنی تیم نعمان بن منذر کو خراج دیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اسے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ نعمان نے اپنے بھائی ربان کو ایک دستہ فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ان پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ اس نے ان کے اونٹ پر ڈلے اور انکی ذریات کو قید کر لیا۔ اس کے بعد بنی تیم کے چند معزز آدمی نعمان بن منذر کے پاس گئے اور اس سے اپنی ذریات کے رہا کر دینے کی درخواست کی۔ نعمان نے اس بارہ میں یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کو اختیار دیدیا اور یہ حکم دیا کہ جو عورت اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہے وہ چلی جائے۔ جب عورتوں کو اختیار دیا گیا تو ان میں باختلاف ہوا۔ بعض نے اپنے شوہروں کے ساتھ جانا پسند کیا اور بعض نے نہیں۔ انہیں عورتوں میں قیس بن عاصم کی ایک لڑکی تھی جس نے اپنے شوہر پر اپنے قید کرنے والے کو ترجیح دی اس وقت سے قیس بن عاصم نے نذر کی کہ جو لڑکی اسکے پیدا ہوگی اس کو زمین میں زندہ گاڑ دے گا۔ چنانچہ اس نے دس سے زائد لڑکیاں زندہ گاڑیں۔

بعض کا بیان ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس قبیلہ نے لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ربیعہ ہے۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ ان پر کسی قبیلہ نے لوٹ ڈالی جس میں ان کے ایک امیر کی بیٹی بھی لونی گئی۔ جب دونوں فریق میں باہم صلح ہو گئی تو اس کو اس کے باپ نے مانگا۔ ادھر سے اس کو یہ اختیار دیدیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس ہے اور چاہے اسکے پاس ہے جسکے پاس ہے اس نے اپنے باپ پر اس کو ترجیح دی جس کے پاس وہ تھی۔ اس کی اس حرکت

سے اس کا باپ غصہ میں بھر گیا اور اپنی قوم کے لئے لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے کی تجویز نکالی۔ انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں پھر کوئی اسی قسم کا واقعہ نہ ہو اس تجویز کو بخوشی منظور کیا اور رفتہ رفتہ تمام عرب میں یہ رسم پھیل گئی۔ ان دونوں روایتوں میں کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوئے ہوں۔

بعض لوگ فقط ان لڑکیوں کو گاڑتے تھے جو کبھی یا سانولی ہوتیں۔ یا انہیں برص کی بیماری ہوتی۔ یا ان کے پہلو پر داغ ہوتے۔ کیونکہ وہ ان صفات کو موجب نحوست جانتے تھے چنانچہ سودہ بنت زہرہ بن کلاب کا قصہ اسی قبیل سے ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ جب ان صفات میں سے بعض صفات پر پیدا ہوئی اور اسکو اس کے باپ نے ان صفات پر دیکھا تو اس کے زندہ گاڑنے کا حکم دیا۔ اور اسے خون بھیجا تاکہ وہاں دفن کر دیا جائے۔ جب گرہا کھودنے والا اسکے لئے گرہا کھود چکا اور اس نے اس کے دفن کا ارادہ کیا تو اس نے ایک ہاتھ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا لا تمتد الصبۃ و خلها البریۃ اس لڑکی کو دفن نہ کر۔ اور اسے جھل میں چھوڑ دے اس نے ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے کوئی شے نظر نہ آئی۔ جب اس نے پھر اس کے دفن کرنے کا ارادہ کیا۔ تو پھر ہاتھ کی آواز سنی کہ اسی مضمون اور معنی کی دوسری معنی عبارت بول رہا ہے گرہا کھودنے والا حیران ہو گیا اور فوراً اس کے باپ کے پاس لوٹ کر گیا اور جو کچھ سنا تھا اس سے اس کو آگاہ کیا۔ اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کی کوئی عجیب حالت ہوگی اور یہ کسی بڑے مرتبہ پر پہنچے گی۔ پھر اس کے دفن کرنے کا خیال دل سے دور کیا۔ اور ہاتھ کے اشارہ کے مطابق اس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ لڑکی قریش کی بڑی کاہنہ ہوئی۔ بنو اس کی کہانت کے ایک یہ بات ہے کہ ایک دن اس نے بنی زہرہ سے کہا کہ تم میں ایک لڑکی ایسی ہے جو نذیرہ ہوگی یا اس کے بطن سے ایک نذیر پیدا ہوگا۔ تم اپنی لڑکیاں مجھ پر پیش کرو۔ بنی زہرہ کی عورتوں نے اپنی لڑکیاں اس پر پیش کیں اس نے ان سب کو دیکھا اور ہر ایک کی بابت ایک ایک پیشین گوئی کی جو ایک زمانہ کے بعد پوری ہوئیں۔ جب اس پر آمنہ بنت وہب پیش کی گئیں تو انکی نسبت اس نے کہا کہ یہ لڑکی خود نذیر ہوگی یا اس کے بطن سے نذیر پیدا ہوگا۔

سودہ بنت
زہرہ کا
واقعہ۔

لے یعنی کبھی اور سانولی

یہ قصہ بہت بڑا ہے جسے ابو بکر نقاش نے ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے جہنم کا نام لیا یہ لفظ عربی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی زبان سے یہ لفظ سنا تو اس سے پوچھا کہ جہنم کیا ہے۔ اس نے کہا کہ جہنم کی خبر تمہیں نذیر دینا۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ عبد المطلب نے جو اپنے بیٹے عبد اسد کے لئے بنی زہرہ میں سے آمنہ خاتون کو پسند کیا اس کا باعث سودہ بنت زہرہ کا ہنہ کا قول تھا جو اس نے آمنہ خاتون کے بارہ میں کہا تھا کہ اس کے بطن سے ایک نذیر پیدا ہو گا۔ یہ سودہ آمنہ کے والد ماجد وہب کی پھوپھی تھی اس کے بعد حلبی نے سودہ کا وہ حال بیان کیا ہے جو اوپر گزرا غرض بعض قبیلہ اس قسم کی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے بعض لوگ فقرا اور محتاجی کے خوف سے بھی اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ یہ لوگ بعض قبائل عرب کے فقیر تھے جو اس خوف سے لڑکیوں کو مار دیتے تھے کہ ان کے لئے کھانے کو کہاں سے آئیگا۔

عبد اسد کے
ذبح ہونیکا
قصہ

بعض لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذر مانتے تھے کہ اگر ہمارے دس بیٹے ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک کو خدا یا کعبہ کے نام پر قربان کریں گے۔ جیسا کہ عبد المطلب نے اپنے بیٹے عبد اسد کے ساتھ کیا جس کا قصہ امام المحدثین ابن شہاب زہری۔ یزید بن رومان اور صالح بن کیسان رضی اللہ عنہم نے یوں بیان کیا ہے کہ جب عبد المطلب کو یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو اس نے یہ تصور کر کے کہ بیٹے کا ذبح کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ یہ نذر مانی کہ اگر میرے دس لڑکے پیدا ہوں اور ان کو اپنی زندگی میں چلتا پھرتا جوان دیکھ لوں تو ان میں سے ایک کو اپنے پروردگار کے شکر یہ میں خانہ کعبہ کے نام پر ذبح کروں گا۔ جب ان کی نذر کی تعداد پوری ہو گئی اور انہوں نے اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھا تو ان سے کہا کہ بیٹو میں ایک نذر مان چکا ہوں جس کا تمہیں پہلے سے علم ہے اب کہو تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا ابا جان آپ مختار ہیں جیسا آپ کی سمجھ میں آئے ویسا کیجئے ہم ہر طرح آپ کے تابعدار ہیں ہم کو کوئی عذر نہیں ہے۔ عبد المطلب نے کہا تم سب اپنے اپنے پائے لاؤ اور اپنے نام لکھ دو۔ انہوں نے اپنے اپنے پائے پر اپنا اپنا نام لکھ کر سب پائے عبد المطلب کو دئیے عبد المطلب نے پائے اپنے ہاتھ میں

لیکریہ رجز پڑھا ہے

عہداتہ وانا مویت عہدہ
واللہ لا یحمد شیئ حمدہ
اذا کان مولای وکنت عبدہ
نذرت نذرا لا احب وودہ
ولا احب ان اعیش بعدہ

میں نے خدا سے عہد کیا ہے اور میں ضرور اپنا
عہد پورا کرونگا اور اللہ کی پوری پوری تعریف
کوئی نہیں کر سکتا وہ میرا مولا ہے اور میں اس
کا بندہ میں نے ایک نذر مانی ہے جس کو میں ماننا
نہیں چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کے پورا کرنے

کے بعد میں زندہ رہوں :-

پھر پائے ڈالنے کے لئے امین قدامت کو بلایا جو اس کام پر مقرر تھا اور پائے اس کے
ہاتھ میں دیکر کہا کہ یہ پائے ڈال لیکن ذرا جلدی نہ کرنا عبد المطلب کو اپنے بیٹوں میں عبد اللہ
کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ امین قدامت نے جب پائے ڈالے تو عبد اللہ کے نام کا
پائے نکلا عبد المطلب نے چھری اپنے ہاتھ میں لی اور عبد اللہ کو خانہ کعبہ میں لائے اور ان کو اس
و نائلہ کے درمیان لٹا کر یہ رجز پڑھا ہے

عہداتہ وانا مویت نذرا
واللہ لا یقدر شیئ قدرہ
هذا قدر اریدا خیرا
وان یؤخرہ یقبل عذرا

میں نے خدا سے عہد کیا ہے اور میں اپنی نذر
پوری کرونگا اور خدا کی پوری پوری قدر کوئی
نہیں کر سکتا یہ میرا بیٹا ہے جسے میں فزع کرنا
ہوں اگر خدا اسے بچائے گا تو اس کا عذر قبول کر لیگا

یہ رجز پڑھ کر عبد المطلب عبد اللہ کو فزع کرنا چاہتے تھے کہ اتنے میں ان کے بیٹے ابو طالب
نے جو عبد اللہ کے سگے بھائی تھے جلدی سے کو دکر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ رجز پڑھا ہے

کلا و دب البیت ذی الانصاب
ما ذبح عبد اللہ بالتلعاب
یا شیب ان الریح ذو عقاب
ان لنا مروتہ فی الخطاب
انوال صدق کا سود الغاب

تم جو چاہتے ہو یہ ہرگز نہ ہوگا اس خانہ کعبہ کے
پروردگار کی قسم جس میں بت کھڑے ہیں عبد اللہ
یوں کھیل کھیل میں فزع نہیں کیا جاسکتا شیب
(عبد المطلب کا نام ہے) بدلہ لینے والی ہوا چل رہی
ہے ہماری طرف سے جھگڑنے کے لئے ہمارے بچے

ماموں میں جو شجاعت میں بن کے شیر ہیں *

ابو طالب کا یہ رجز جب ان کے ماموں بنی مخزوم نے سنا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا بھانجا سچ کہتا ہے اور فوراً گود کر عبد المطلب کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو الحارث ہم اپنے بھانجے کو ہرگز ذبح نہیں کرنے دیں گے یہ تمکو اختیار ہے کہ اس کے سوا اپنے بیٹوں میں سے جس کو چاہو ذبح کرو۔ عبد المطلب نے کہا میں نے ذبح کرنے کی نذر مافی تھی اور پالنا اس کے نام نکلا ہے۔ اب میں اس کو بغیر ذبح کئے نہیں رہ سکتا انہوں نے کہا کہ جب تک ہم میں سے ایک جان بھی باقی ہے اس وقت تک تو آپ اس کو ہرگز ذبح نہیں کر سکتے اگر آپ کو منظور ہے تو ہم اپنا نیا پرانا سارا مال اس کے فدیہ میں دینے کے لئے موجود ہیں اس کے بعد مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم نے یہ رجز پڑھا:

یا عجبا من فعل عبد المطلب
وذبحا بنا کمثال الذاہب
کلوا بیت اللہ مستورا بحجب
ماذبح عبد اللہ فینا باللعب
فدون ما یبغی خطوب تضطوب

عبد المطلب کے فعل سے بڑا تعجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو جو سوئے کی مورت ہے ذبح کرتا ہے۔ قسم ہے خدا کے گھر کی جس پر پرے پڑے ہوئے ہیں یہ ہرگز نہیں ہو گا یوں کھیل کھیل میں ہماری آنکھوں کے سامنے عبد اللہ ذبح نہیں کیا جاسکتا جو عبد المطلب

چاہتا ہے اس سے ورے بڑی بڑی رکاوٹیں اور مصیبتیں ہیں *

پھر سردار قریش عبد المطلب کی طرف دوڑے اور کہا کہ اے ابو الحارث یہ بات جس کا آپ نے قصد کیا ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ بہت بڑی بات ہے۔ اگر آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر دینگے تو اس کے بعد آپ کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ابھی آپ اس کام میں جلدی نہ کریں اور اپنے ارادہ پر قائم رہیں۔ ہم آپ کو بنی سعد کی کاہنہ عورت کے پاس لئے چلتے ہیں۔ وہ جس بات کا آپ کو حکم دے آپ اس کے مطابق کریں۔ چونکہ عرب میں عموماً سب لوگ کہانت کو حق جانتے تھے۔ اسلئے عبد المطلب اس پر راضی ہو گئے اور کہا کہ تمہاری یہ تجویز عجیبے منظور ہے۔ پھر عبد المطلب بنی مخزوم کی ایک جماعت کے ہمراہ ملک شام کو روانہ ہوئے اور کاہنہ کے پاس پہنچے کاہنہ سے عبد المطلب نے اپنا سارا حال بیان

کیا اور یہ رجز پڑھا ہے

یا رب انی فاعل لما ترد
ان نشئت الھمت الصواب الرشدا
یا سابق الخیر الی کل بئدا
قد اذنت فی المال والثروت العدا

پروردگار میں وہی کرونگا جو تو چاہے گا۔ اگر تو چاہے تو
ٹھیک اور حق بات کا ہیں الہام کر دے۔ اے وہ ذات
جو ہر شہر کی طرف خیر کو ہنکا کر بجاتا ہے تو نے ہی میرا مال اور
آدمی بڑا ہے یہاں ۔

کاہنہ نے کہا آج مجھے فرصت نہیں ہے۔ آج تو تم چلے جاؤ کل میرے پاس آنا۔ ناچار
اس کے پاس سے اپنی نزدگاہ میں لوٹ آئے اور اگلے روز پھر اس کے پاس گئے اور اس سے
سارا حال بیان کیا۔ اس نے پوچھا تمہارے ہاں آدمی کی دیت کتنی مقرر ہے۔ انہوں نے کہا دس
اونٹ۔ اس نے کہا تو اب تم اپنے شہر کو واپس جاؤ اور وہاں جا کر دس اونٹوں اور اس لڑکے
کے درمیان جسکے ذبح کرنے کا تم ارادہ کرتے ہو پانے ڈالو۔ اگر پانسا اونٹوں پر پڑے تو نہیں
اس کی عوض ذبح کرو۔ اور اگر تمہارے لڑکے پر پڑے تو دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ اور
پانے ڈالتے جاؤ یہاں تک کہ کسی مقدار پر تمہارا پروردگار تم سے راضی ہو جائے ۔

کاہنہ کا یہ فیصلہ سن کر وہ لوگ مکے واپس آئے اور سب نے ملکر عبدالمطلب سے کہا کہ اے
ابو الحارث! تم کو ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرنا چاہئے۔ تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے کس طرح
اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام کے بدلے ذبح قربانی کیا۔ تم اسمعیل کی اولاد میں سرور ہو تمہیں ضرور
ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا خیال دل سے دور کرو اور اس کے بدلے
اپنا مال قربان کر دو ۔

اگلے روز عبدالمطلب اپنے بیٹے عبدالمدا اور دس اونٹوں کو اپنے ساتھ لیکر منہ میں پہنچے
اور پانسا ڈالنے والے کو بلایا اور ایک پانسا اپنے بیٹے کے نام پر کیا۔ پھر پانسا ڈالنے والے
کو پانے دیکر کہا کہ پانسا ڈال لیکن اطمینان سے ڈالنا جلدی نہ کرنا جب اس نے پانسا ڈالا
تو عبدالمدا کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے دس اونٹ بڑھا دیئے۔ اس نے پھر پانسا ڈالا تو پھر عبدالمدا
کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے دس اونٹ اور بڑھا دیئے اسی طرح ہر مرتبہ عبدالمدا کے نام پانسا پڑتا
رہا اور عبدالمطلب ہر دفعہ دس اونٹ بڑھاتے رہے یہاں تک کہ پورے سو اونٹ ہو گئے جب

سوانٹوں اور عبداللہ کے نام پانسٹا ڈالا گیا تو پانسٹا اونٹوں کے نام نکلا۔ اس وقت عبداللہ اور تمام قریش نے خوش ہو کر تکبیر کا نعرہ مارا۔ اور قریش نے عبدالمطلب سے کہا کہ ابو الحارث خدا کا شکر کرو کہ تمہارا پروردگار بھی راضی ہو گیا اور تمہارا بیٹا بھی ذبح ہونے سے بچ گیا۔ عبدالمطلب نے کہا ابھی میں اس بات کو نہیں مانتا۔ جب تک میں تین بار پانسٹا نہ ڈال لوں۔ غرض عبدالمطلب نے دوبارہ پانسٹا ڈال دیا۔ لیکن وہ بھی اونٹوں کے نام نکلا پھر تیسری بار پانسٹا ڈالوایا تو وہ بھی اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ ان کا پروردگار ان کے بیٹے کا فدیہ لینے سے راضی ہو گیا۔ پھر انہوں نے یہ رجز پڑھا:

دعوت ربی مخلصاً وجہلاً
یادب لا تخربنی مخرأ
وفاد بالمال تجدلی دفوا
اعطیک من کل سوام عشل
عفوا ولا تشمت عیونا خزرا
بالواضحة الوجہ المغشی بدرا
فلحمد لله الا جل شکر
فلسن والبت لمغنی ستر
مبدلاً نعمة ربی کفراً
مادمت حیا وازور الھبرا

میں نے اخلاص کے ساتھ اور آواز بلند اپنے پروردگار سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرا بیٹا ذبح نہ ہو اور اس کے فدیہ میں مال قبول کرے۔ میرے پاس بہت سا مال موجود ہے میں تجھے ہر قسم کے چرنے والے جانوروں میں سے دس دس دوں گا۔ پروردگار معاف فرما اور ایک ایسے حسین و جمیل روشن رو کو جس کے آنے چودھویں رات کا چاند بھی ماند ہے ذبح کر اگر ہمارے دشمنوں کو خوش نہ کر سوائے بزرگ و برتر کا شکر ہے جس نے ہماری سن لی۔ قسم ہے خانہ کعبہ کی جس پر پردہ پڑے ہوئے ہیں جب تک میں زندہ رہوں گا اور قبر میں

نہ جاسوں گا اس وقت تک اپنے پروردگار کی نعمت کو کفر سے نہیں بدلوں گا۔

پھر عبدالمطلب نے اپنے عمدہ اور بیش قیمت اونٹوں میں سے عبداللہ کے ذریعہ میں سوانٹ قربان کئے اور جہاں وہ قربان کئے تھے وہیں چھوڑ دئے گئے تاکہ جو کوئی آئے ان کا گوشت کھائے اور جب قدر ضرورت ہو اپنے گھر لیجائے۔ نوبت بہ نوبت ہر جگہ کے آدمی آتے تھے اور ان کا گوشت بھون کر کھاتے اور گھر کو لیجائے کسی کو ممانعت نہ تھی۔ اس روز سے آدمی کی ویت سوانٹ قرار پائی ورنہ اس سے پہلے دس اونٹ تھے۔

پھر عبد المطلب اپنے بیٹے عبد اللہ کو اپنے ساتھ لیکر شادان و مریحان گھر کو لوٹے اور اُس روز سے عبد اللہ کو لوگ ذبیح کہنے لگے اور یہ اُن کا لقب پڑ گیا بیان کیا جاتا ہے کہ جناب مریحان عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ دو ذبیحوں سے مراد حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور حضرت عبد اللہ ہیں۔

بعض لوگ اس خیال سے بھی اپنی بیٹیوں کو گاڑ دیتے تھے کہ وہ فرشتوں کو خدائی بیٹیاں خیال کرتے تھے۔ پس وہ براہِ جہالت اس جنس کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتے تھے جس کو انہوں نے خدا کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اور یہ ان کا دوسرا مقام تھا۔

لڑکیوں کے دفن اور قتل کرنے کی کیفیت مختلف تھی ایک یہ طریق تھا کہ جب کسی کے لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو اسے صوف یا بالوں کا ایک جہ پھندا دیتا اور چند اونٹ یا بکریاں اس کی سپرد کر کے ان کے چرانے کے لئے اسے جنگل میں چھوڑ دیتا وہ جنگل میں اس کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتی۔ اور اگر اس کو مارنا چاہتا تو اس سے کوئی کام نہ لیتا جب چھ برس کی ہو جاتی تو اس کی ماں سے کہتا کہ اس کو خوب بنا سنوار کر آراستہ کر اور خوشبو سے معطر کر میں اس کے اقارب میں لئے جاتا ہوں۔ پھر جنگل میں اس کے لئے ایک کنواں کھودتا اور اس کو اس کنوئیں پر لے جاتا اور اس سے کہتا کہ اس کے اندر جھانک۔ جب وہ جھانکتی تو اسکو پیچھے سے دھکا دیکر اس کو گرادیتا پھر اس کے اوپر مٹی ڈال کر کنوئیں کو بند کر دیتا۔

لڑکیوں کے
دفن اور
قتل کرنی
کیفیت

وضیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے بچے گناہ کیونکر معاف ہونگے ہم لوگ جاہل اور بت پرست تھے اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے چنانچہ میری ایک لڑکی تھی جب وہ چند سال کی ہو گئی اور جواب دینے لگی تو میں اُس کے مار ڈالنے کے درپے ہوا وہ لڑکی میری نہایت فرمانبردار اور مطیع تھی جب میں اُسے اپنے پاس بلاتا تھا تو نہایت خوش ہوتی تھی اور دوڑ کر میرے پاس چلی آتی تھی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا اور کہا کہ میرے ساتھ چل۔ وہ خوشی سے میرے پیچھے پیچھے ہوئی۔ میں اُسے اپنے خاندان کے ایک کنوئیں پر جو میرے گھر سے بہت دور نہیں تھا

لے دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۳

لے گیا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے اسے اس کنویں میں دھکیل دیا۔ وہ مجھے آبا جان آبا جان کہہ کر پکارتی رہی۔ لیکن مجھے اس پر ذرا رحم نہ آیا۔ اور اسے دھکیل کر فوراً وہاں سے چل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا یہ بیان سن کر رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ جاہلیت کی خطائیں خدا تعالیٰ نے معاف فرمائیں۔ اب آئندہ کو اچھے عمل کرنا۔

دوسرا طریق لڑکیوں کے گاڑنے کا یہ تھا کہ مرد نکاح کرتے وقت عورت سے یہ شرط کر لیتا کہ اگر اس کے لڑکیاں پیدا ہوں تو وہ ایک لڑکی زندہ رکھے اور ایک گاڑ دے۔ جب وہ لڑکی پیدا ہوتی جس کے گاڑنے کی شرط ہوتی۔ تو مرد عورت سے یہ کہہ کر باہر نکل جاتا کہ میں باہر جاتا ہوں۔ حقوڑی دیر میں واپس آؤنگا۔ اگر تو نے میرے واپس آنے تک اسے زندہ درگور نہ کیا تو جس طرح میری ماں کی پیٹھ مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تو مجھ پر حرام ہے۔ اس کے باہر چلے جانے کے بعد وہ عورت اس لڑکی کے دفن کرنے کے لئے زمین میں ایک گڑھا کھودتی۔ اور خاندان کی عورتوں کو بلواتی۔ وہ سب اس کے پاس اکٹھی ہو جاتیں اور اسے مع اس لڑکی کے گڑھے پر بیجا تیں اور اس کے شوہر کے آنے کی منتظر رہتیں۔ جب وہ عورت اپنے شوہر کو واپس آتا دیکھتی تو اس لڑکی کو اس گڑھے میں ڈال دیتی اور اس کے اوپر مٹی ڈال کر گڑھا بند کر دیتی۔ یہ طریق قبیلہ مضر اور ربیعہ میں تھا۔ جو فاقہ اور قید کے خوف سے ایسا کرتے تھے۔

بعض لوگ اس طرح بھی لڑکیوں کو مارتے تھے کہ وہ ان کو پہاڑ کی چوٹی یا کسی ادبھی جگہ سے نیچے گرا دیتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں اس وقت سے اب تک مجھے اسلام میں کچھ لذت معلوم نہیں ہوتی۔ جس کا سبب یہ ہے کہ جاہلیت میں میری ایک لڑکی تھی میں نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اس لڑکی کو خوب آہستہ کر جب آراستہ کر چکی تو میں اس کو ایک بہت گہرے نالہ پر لے گیا اور اسے میں نے اس میں گرا دیا۔ گرتے وقت اس نے یہ کلمہ کہا کہ ابا جان تم نے مجھے مار ڈالا۔ جب مجھے اس کا یہ قول یاد آتا ہے تو مجھے کوئی شے اچھی نہیں

۱۔ دیکھو سنن داری ۲۔ تفسیر ابن جریر طبع ۱۳۵۲ھ

معلوم ہوتی۔ آپ نے فرمایا جاہلیت کے تمام گناہ اسلام نے مٹا دیے اور اسلام کے گناہوں کو استغفار مٹا دیتا ہے۔ یہ بھی طریق تھا کہ بعض لڑکیوں کو ڈبو دیتے تھے۔ اور ذبح کر ڈالتے تھے۔ اسلام نے سیکڑوں برس کی اس قبیح اور جاہلانہ رسم کو ایک آن میں مٹا دیا۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں اس کے جملہ انواع و اقسام کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ایسے خدا ترس ظالموں کو سوتے و دوزخ کے اور کہیں ٹھکانا نہیں دیا گیا۔ قرآن مجید میں اس فعل قبیح کی ممانعت اور ممانعت میں متعدد آیات موجود ہیں۔ مثلاً

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ إِنَّكُمْ خَشِيتُمْ أُمَّهَاتِكُمْ قَدْ خَسِرَ
الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ
محتاجی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو وہ لوگ بڑے
بے نصیب ہیں جنہوں نے بغیر علم کے جہالت سے اپنی
اولاد کو مار ڈالا وغیرہ۔

لیکن جس آیت میں سب سے زیادہ اس فعل پر وعید آئی ہے وہ یہ آیت ہے۔
وَالَّذِينَ قَتَلُوا ذُرِّيَّتَهُنَّ بِآيَةٍ قَتَلَتْ
یعنی اس لڑکی سے جو زندہ دفن کی گئی ہے پوچھا
جائیگا کہ تو کس گناہ میں ماری گئی تھی ؟

اس آیت میں خدا نے یہ ظاہر فرمایا کہ زندہ درگور کرنے والا خبیث اس قابل ہی نہیں
کہ اس کی طرف التفات کیا جائے اور اس سے اس بارہ میں پوچھ گچھ کی جائے بلکہ فقط مظلوم
لڑکی کے اظہار بیکریک طرفہ کارروائی کر دی جائے گی اور اسی کے بیان پر اس خبیث کو
دوزخ میں بھیجا جائے گا جس طرح مسیح کے پوجنے والے اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے
کچھ باز پرس کی جائے فقط مسیح کا بیان لیکر دوزخ میں داخل کر دئے جائیں گے ۔

کلام کا یہ پیرایہ نہایت بلیغ اور موثر ہوتا ہے۔ اور یہی قرآن کا اعجاز ہے۔ کسی بشر
کی کیا مجال جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ افسوس لوگوں کا مذاق ہم عمدہ نہیں پاتے اس لئے
مجبور ہیں۔ ورنہ ہم اس آیت کی بعض خوبیاں اور اسکے نکات بیان کرتے ۔

۱۔ بلیغ العرب فی احوال العرب جلد ۳ +

خرافات و ہمیات و تخیلات

منجملہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم مخالفت تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ دو شخص یا دو قبیلے سخت قسمیں کھا کر اور حلف اٹھا کر آپس میں معاہدہ کرتے تھے کہ آج سے ہم دونوں فریق ہر امر میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اگر کسی فریق پر کوئی دشمن چڑھ کر آئیگا تو دوسرا فریق اس کا ساتھ دیگا اور دشمن سے لڑے گا۔ یہ معاہدہ سخت اور پچی قسموں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ قسم کے پکا کرنے کے دو طریق تھے۔ ایک یہ کہ جب کوئی کسی کی مدد پر قسم کھاتا تو حطیم خانہ کعبہ میں اپنا جوتا۔ یا کوڑا۔ یا کمان ڈال دیتا۔ ایسا کرنے سے وہ اس کا حلیف یعنی ہم عہد ہو جاتا۔ اور ہر امر میں اسکی مدد اس پر واجب ہو جاتی۔

دوسرا طریق یہ تھا کہ قسم کھاتے وقت آگ جلا کر اس میں نمک اور گندھک ڈالتے ہوتے جو شخص قسم کھاتا اس کی قسم پکی سمجھی جاتی۔ اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے دوسرے شخص کا ہم عہد ہو جاتا۔ اور ہر امر میں زندگی بھر اس کی مدد کرتا۔ اس آگ کا نام ان کے ہاں نار مہول یعنی ڈرانے والی آگ تھا جس شخص کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ ہوتا تھا وہ اس آگ کو دیکھ کر قسم کھانے سے ڈر جاتا تھا۔

تیسرا طریق یہ تھا کہ ایک فریق خوشبو سے بھر کر ایک طشت لاتا اور دوسرا فریق خون سے بھر کر۔ پھر قسم کھاتے وقت اپنے اپنے طشت میں ہاتھ ڈبو کر خانہ کعبہ پر پھیرتے۔ چنانچہ جب بنی عبد مناف اور ان کے ساتھیوں کا بنی عبد الدار اور ان کے رفقاء کے ساتھ معاہدہ ہوا تو بنی عبد مناف نے خوشبو سے بھرا ہوا ایک طشت نکالا اور اس میں اپنے ہاتھ ڈبو کر کعبے پر پھیرے۔ اسلئے وہ مطہین کہلاتے۔ اور بنی عبد الدار نے خون سے بھرا ہوا طشت نکالا اور اس میں ہاتھ ڈبو کر کعبے پر پھیرے۔ وہ اخلاف اور لعنۃ الدم کہلاتے۔

اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں اور بنوں کی قسم بھی کھاتے تھے۔

۱۰ بخاری شریف۔ ۱۱ معجم البلدان جلد ہشتم تحقیق لفظک۔

منجملہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم گھوڑ دوڑیں بازی بدنام تھی۔ جسے وہ لوگ رہاں کہتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ دو شخص گھوڑ دوڑیں بازی بدتے اور ہر ایک روپیہ کی ایک ایک مقدار معین بطور رہن کے رکھ دیتا۔ پھر دونوں ایک مقررہ میدان میں ایک ساتھ اپنا اپنا گھوڑا چھوڑتے۔ جس کا گھوڑا آگے نکل جاتا وہ دونوں رہن لے لیتا اپنا بھی اور دوسرے کا بھی۔

بارش کا عمل

جاہلیت کی قبیح رسموں میں سے ایک یہ رسم تھی کہ جب قحط پڑ جاتا اور بارش نہ ہوتی اور لوگوں کو بارش کی ضرورت ہوتی۔ تو لوگ سلع اور عشر کی لکڑیوں کے۔ بوجھ گایوں کی دھواں سے باندھتے اور ان میں آگ لگا کر ان کو پہاڑ پر چڑھاتے اور خدا تعالیٰ سے مینہ کی دعا مانگتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے ہولیتے۔ اور ان کو مغرب کی طرف ہانکتے۔ یہ ان کے یہاں بارش کا عمل تھا۔ گویا گائے خدا کی درگاہ میں ان کی شفیع تھی۔ اور ان کی دھواں میں آگ اسلئے لگاتے تھے تاکہ بجلی کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے۔ قال الشاعر

لا تدردرانا پس خاب سعيهم
ليستطرون لذي الاعصار بالعشر
اجاعل انت بيقوراً مسلعة
ذريعة لك بين الله والمطر

وہ لوگ کامیاب نہ ہوں جن کی سعی رایگان گئی
خشک سالی میں عشر کے ذریعہ سے مینہ مانگتے
ہیں کیا تو اس گائے کو جس کی دم سے سلع بندھا
ہوا ہو خدا اور مینہ کے درمیان اپنا ذریعہ اور

وسیلہ ٹھہراتا ہے۔

گائے کی نسبت عرب جاہلیت کا ایک اور خیال تھا کہتے تھے کہ جن گائے کو پانی پینے سے روکتا ہے اور بیل کے سینگوں پر شیطان سوار رہتا ہے۔ اس لئے جب گائے کو پانی پلانے بجاتے اور وہ پانی میں نہ گھستے تو بیل کو مار کر پانی میں گھساتے اس کے پیچھے گلے بھی پانی میں گھس جاتی۔

گائے کی نسبت خیال

عرب کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ بیل حوض یا تالاب میں گھس کر پانی پی لیتا تھا۔ لیکن گلے پانی میں گھستے ڈرتی اور پانی سے نفرت کرتی۔ جب وہ بیل کو مارنے اس وقت گائے پانی پیتی نہ نسل بن جری کہتا ہے۔

سہ بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۲

كذلك الثور يضرب بالهمل وي
اذا ما عافت البقر الظمء

اسی طرح بیل لائھیوں سے مارا جاتا ہے جب گائے
پانی پینے سے کراہت کرتی ہے *

کسی کی ہجو
کتنے وقت
شعر کا بہت
اور انکی ہیئت

شعر میں ایک یہ دستور تھا کہ جب کوئی شاعر کسی شخص کی ہجو کرنے کا ارادہ کرتا۔ تو اپنے سر کی
ایک جانب تیل لگاتا۔ اور اپنی ازار نیچے لٹکا لیتا۔ ایک پاؤں میں جوتی پہنتا۔ اور ایک پاؤں ننگا
رکھتا۔ ہجو کے وقت عموماً شعر ادا کی یہ ہیئت اور وضع ہوتی تھی۔ لیکن اس کی وجہ اور علت کچھ سمجھ
میں نہیں آتی۔ شاید ان کے خیال میں ان کی یہ وضع اشعار ہجو یہ میں ان کو کچھ مدد پہنچاتی ہو یا اس
سے ان کے جن جو ان کو اشعار القاد کرتے تھے خوش ہوتے ہوں *

جز نوا صبی
قیدی کو چھوڑنے
وقت اس کی
پیشانی کے
بال کاٹ لینا

مغلہ رسوم جاہلیت کے ایک رسم جز نوا صبی تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ جب کوئی معز و ذی رتبہ
شخص کسی کی قید میں آجاتا۔ اور قید کرنے والا اس پر احسان رکھ کر اسے چھوڑنا چاہتا تو اس کی پیشانی
کے بال کاٹ لیتا۔ اور وہ بال ہمیشہ اپنے پاس رکھتا اور جمعوں میں ان کے ساتھ فخر کرتا۔ مشہور
شاعرہ خنساء کہتی ہے

جز نوا صبی فرسانہا
وكانوا يظنون ان لا تجزأ
جائیں گے *

ہم نے ان کے سواروں کی پیشانیوں کے بال کاٹ
لئے اور وہ یہی گمان کرتے رہے کہ ان کے بال نہ کاٹے

شد سان یعنی
قیدی شاعر کی
زبان سے
باندھ دینا

اہل جاہلیت میں یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی شاعر ان کی قید میں آجاتا تو اس کی زبان
تسمے یا مضبوط ڈور سے باندھ دیتے۔ تاکہ وہ ان کی ہجو نہ کر سکے۔ عہد یغوث قحطی کہتا ہے

اقول وقد شد ولسانی بنسقة
امعشر تيمرا طلقوا عن لسانيا
امعشر تيمر قد ملكتم فاسجوا
فان احاكم لم يكن من بوانيا
فان تقتلوني تقتلوا بي سيدا
وان تطلقوني عثر بوني بما ليا

جب تیم نے میری زبان ڈور سے باندھ دی
تو میں نے ان سے کہا کہ لے تیم میری زبان کھول دو۔
لے تیم اب تم مجھ پر قابو پائے ہو تو میرے ساتھ
زنی بر تو تمہارا آدمی جسے میں نے مارا ہے میرے جوڑ
کا نہیں تھا۔ اگر تم مجھے مار ڈالو گے تو ایک سردار کو مار
ڈالو گے اور اگر مجھے چھوڑ دو گے تو میرے مال کے

مالک بن جاوگے *

جاہلیت میں ایک یہ بھی رسم تھی کہ جب شکار پر گھوڑے دوڑاتے تو جو گھوڑا سب گھوڑوں سے آگے نکل جاتا اور شکار کو پکڑ لیتا اس کے سینے کو شکار کے خون سے رنگ دیتے یہ اس بات کی علامت تھی کہ دوڑ میں اس گھوڑے کا کوئی گھوڑا مقابلہ نہیں کر سکتا اور گھوڑے دوڑ کے میدان میں سب سے آگے رہتا ہے۔

غضب انہم
یعنی گھوڑے
کے سینے
کو شکار کے
خون سے
رنگنا۔

جاہلیت کی رسموں میں ایک رسم تعقیہ تھی جس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو قتل کر دیتا اور قاتل سے مقتول کا قصاص طلب کیا جاتا تو چند معزز رئیس پوری دیت لیکر اولیاء مقتول کے پاس جمع ہوتے۔ اور ان سے عضو قصاص اور قبول دیت کی درخواست کرتے مگر اولیاء مقتول دولت و ثروت اور جاہ و حشمت واسے ہوتے۔ اور ان کو اپنے زور و قوت پر بھروسہ ہوتا تو دیت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیتے اور بغیر قصاص لئے نہ رہتے۔ ورنہ ان سے کہتے کہ ہمارے اور ہمارے خالق کے درمیان امر و نہی کی ایک شناخت مقرر ہے اگر اس نے دیت لینے کی اجازت دی تو ہم لے لیں گے۔ لیکن اگر اس نے منع کیا تو پھر ہم مجبور ہیں۔ وہ شناخت یہ ہے کہ ہم آسمان کی طرف ایک تیر ماریں۔ اگر خون میں بھرا ہوا واپس آیا تو سمجھا جائے گا کہ ہم کو دیت لینے کی ممانعت کی گئی ہے اور اگر صاف آیا تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ ہم کو دیت لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ آسمان کی طرف تیر چلا تے اور جب صاف واپس آتا تو اپنی ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے اور دیت لینے پر صلح کر لیتے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنا دیت پر صلح کرنے کی علامت تھی۔

یہ تیر جو آسمان کی طرف پھینکا جاتا تھا۔ عقیقہ اور سہم الاعتذار کہلاتا تھا اور اس عمل کا نام تعقیہ تھا۔ شعر جعفی کہتا ہے۔

عقوا بسہم شم قالوا سالموا

یا لیتنی فی القوم اذا مسحو اللخی

تھامیں بھی ان میں موجود ہوتا۔

انہوں نے آسمان کی طرف تیر مارا پھر کہا کہ صلح کرو
کاش جبوقت انہوں نے اپنی ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرا

ابن الاعرابی کہتا ہے کہ یہ تیر جو آسمان کی طرف مارا جاتا تھا ہمیشہ صاف آتا تھا خون آلودہ

لے دیکھو بلوغ العرب فی احوال العرب۔

کبھی نہیں آتا تھا۔ لیکن اس سے جاہلوں کے نزدیک ان کے لئے ایک عذر قائم ہو جاتا تھا۔
کیونکہ عرب جاہلیت کے نزدیک دیت قبول کرنا اور قصاص سے درگزر کرنا سخت معیوب
و مذموم اور موجب ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جو لوگ قوت والے ہوتے تھے وہ
دیت قبول نہیں کرتے تھے۔

بادشاہوں کو
کندھوں پر چڑھانے پھرنا

خلیج اور
رجل لعین

جاہلیت کی رسموں میں سے ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی بادشاہ بیمار ہو جاتا تو لوگ اسے
اپنے کندھوں پر چڑھاتے پھرتے۔ اور نوبت بہ نوبت سب اسے کندھا دیتے۔
جاہلیت میں ایک یہ رسم تھی کہ جس شخص کا بیٹا نالایق ہوتا اور اس کے افعال اچھے نہ ہوتے
تو وہ اس کو موسم حج میں لیجاتا۔ اور عام مجمع میں کہتا کہ لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ یہ میرا بیٹا ہے میں نے
اسے اس کی نالایق اور ناشائستہ حرکات کی وجہ سے اپنی فرزندگی سے خارج کر دیا۔ آج
سے نہ یہ میرا بیٹا ہے اور نہ میں اس کا باپ۔ اگر یہ کوئی قصور کرے گا تو میں اس کا ضامن نہیں
ہوں گا۔ اور اگر اور کوئی اسے ستائے گا

یا کسی قسم کی تکلف پہنچائے گا یا مار ڈالے گا تو میں اس کے عوض اور بدلے کا خواہاں
نہ ہوں گا۔ اس کے بعد اگر وہ لڑکا کسی قسم کی خطا یا قصور کرتا۔ تو اس کے باپ سے اس کا
مواخذہ نہ کیا جاتا۔

جس طرح باپ بیٹے کو اپنی فرزندگی سے خارج کر دیتا تھا۔ اسی طرح قبیلہ کے سبب آدمی
مل کر کسی شخص کو جو خبیث اور بد باطن اور ننگ قوم ہوتا۔ اپنے قبیلہ سے خارج کر دیتے تھے
اور ان سے کوئی سروکار نہ رہتا تھا۔ اگر وہ کوئی خطا یا قصور کرتا تو اس کے ذمہ دار نہ ہوتے
اور اگر مارا جاتا تو اس کا قصاص طلب نہ کرتے۔ اس شخص کو جو اپنے باپ کی ابنیت یا قبیلہ
سے خارج کیا جاتا تھا خلیج اور رجل لعین کہتے تھے۔ لعین اس لئے کہتے تھے کہ اس پر ہر شخص
لعنت کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ لعین خلیج کی مورت کا نام ہے۔ ابو عبیدہ کبریٰ نے شرح
امالی القالی میں کہا ہے۔ کہ جاہلیت میں کوئی شخص جب غدر اور عہد شکنی کرتا تھا تو اس کی
شکل کی مٹی کی ایک مورت بنا کر کھڑی کرتے اور کہتے کہ لوگو خبردار ہو جاؤ۔ فلاں شخص نے

لے دیکھو بلوغ العرب فی احوال العرب جلد سوم

عذر کیا ہے اس پر لعنت کرو۔ ایک شاعر کہتا ہے ۛ

فَلْنَقُتْنِ بِخَالِدٍ سِرْوَانَكُمْ
وَلْنَجْعَلَنَّ لظَالِمٍ تَمْثَالًا ۛ

ہم خالد کے بدلے تمہارے سرداروں کو قتل کریں گے
اور ظالم کے لئے صورت بنائیں گے

شاخ بن ضرار کہتا ہے ۛ

وَمَا قَدْ وَرَدَتْ لِرِصْلِ ارْوَى
عَلَيْهِ الطَّيْرُ كَالْوَرَقِ اللَّعِينِ
ذَعَرَتْ بِهِ الْقَطَا وَنَفِيتْ عَنْهُ
مَقَامَ الذَّائِبِ كَالرَّجُلِ اللَّعِينِ

میں اروی کے وصل کی طلب میں بہت سے پانیوں
پر گیا جن پر چاندی کے ورقوں کی طرح طائر منڈلا
رہے تھے۔ سو میں نے اس پانی سے قطا کو ڈرایا اور
رجل لعین کی طرح اس سے بھیڑیوں کو دور کیا ۛ

اہل جاہلیت کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ آدمی کے پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے۔ جب
وہ سانپ اس کی پسلیوں اور جگر میں کاٹتا ہے تو اسے بھوک لگتی ہے۔ اور بھوک میں جو
کلیف ہوتی ہے وہ اس کے کاٹنے کا اثر ہے۔ بعض اوقات اس کے کاٹنے سے آدمی مر بھی جاتا
ہے ایک شاعر کہتا ہے ۛ

أَرَدْتُ شِجَاعَ الْبَطْنِ قَدْ تَعَلَّمْنِي
وَأَوْثَرُ غَيْرِي مِنْ عِيَالِكَ بِالطَّمْرِ

میں پیٹ کے سانپ کو جسے تو خوب جانتی ہے
دفع کرتا ہوں اور اپنے غیر کو جو تیری اولاد ہے کھانا

کھاتا ہوں ۛ

اس سانپ کا نام ان کے ہاں صفر تھا۔ حدیث میں اس خیال کی تردید کی گئی۔ جناب
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا عدوی ولا ہامة ولا صفر ولا غول یعنی
کسی کی بیماری کسی کو لگتی ہے اور نہ ہارنے کے بعد آدمی کے سر میں سے آگ نکلتا ہے۔ اور
نہ صفر کوئی چیز ہے اور نہ خریں اس میں جو لفظ صفر واقع ہوا ہے۔ اس سے اکثر محدثین نے بھی
استنباط فرادیا ہے لیکن جاہلیت میں ایک قسم کا صفر اور بھی تھا یعنی وہ لوگ حرم کو صفر سے
بلتے تھے جس کی تفسیر انہی کے بیان میں گزر چکی ہے پس اس حدیث میں جو صفر کی
لفظی کنی گئی ہے اس سے مراد وہ لوگ تھے جو صفر سے یہی وجہ ہے کہ حدیث کی تفسیر میں علامہ ابن
الکثیر نے واقع ہوا ہے ۛ

شجاع اور
بہادر اور
کے پیدا کوئی
ترکیب

عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اگر عورت سے ایسے وقت ہم بھڑکی کی جائے جب اس کو مرد کے ساتھ ہم بستر ہونے کی خواہش نہ ہو تو اس سے اولاد نہایت قوی، شجاع و لیر اور بیدار مغز پیدا ہوتی ہے۔ مشہور شاعر ابو کبیر ہذلی حاسی اپنے ربیب تابطہ شرک کی تعریف میں کہتا ہوں کہ

وہ جوان ان لوگوں میں سے ہے جس کی ماؤں کو
ان کا حمل اس وقت رہا جبکہ وہ مرد کے ساتھ ہم بستر
ہونے کی خواہش مند نہ تھیں اس لئے وہ جوان نہایت
پھرتیلا اور چھریے بدن کا پیدا ہوا جس میں بادی
بلغم کچھ نہیں۔

اس کی ماں کو اس کا حمل شب خوفناک میں رہا
ایسے وقت میں کہ اس کے ساتھ زبردستی صحبت
کی گئی تھی اور اس کی خوشی اور رغبت سے اس کے
کمر بند کی گرہ نہیں کھولی گئی تھی۔

سو اس نے اس کو تیز طبع، قلیل النوم، چھریے
بدن کا بہادر بنا جبکہ کابل آدمی ساری رات سوتا
ہے تو وہ جاگتا رہتا ہے اگر تو اس کی طرف ایک
لنگر پھینکے تو وہ اس کے گرتے ہی شکرہ کی طرح
جست مارے۔

اور جب وہ نیند سے اٹھے تو تولدے درخت تل
کی پوری کی طرح سیدھا کھڑا دیکھے، اور وہ نامرد
نہیں ہے جب وہ لیٹا ہے تو زمین سے سوائے

من حملن بد وھن عواقدا
حبك النطاق فشب غیر مہبل
حملت به فی لیلة مزودة
کوھا وعقد نطاقتها لم تحلل
فانت به عوش الفؤاد مبطناً
سہلاً اذا ما نام لیل الھوجل
فاذا نبذت له المحصاة رائتہ
ینزل ووقعها طمورا لا خیل
واذا اھب من المنام رائتہ
کوئوب لعب الساق لیس بزل
ما ان تمس الارض الا منكب
مند وھرف الساق طحی المحل
واذا رمیت به الفجاء رائتہ
یھوی مخارمھا ھوقی الاجدل
واذا نظرت الی اسرة وجمہ
برقت کبرق العارض المتھال
صعف الکرمیة لا یرام جنابہ

مخدوم و مکرم جناب مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی مخدوم ترجمہ حاسی میں لکھتے ہیں کہ جوان سے مراد خود ذات
شاعر سے ہے یعنی شاعر اپنے آپ کو غائب قرار دے کر خود اپنے اوصاف بیان کرتا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ شاعر اپنے
ربیب تابطہ شرک کے اوصاف بیان کرتا ہے۔ اور جوان سے مراد تابطہ شرک ہے جیسا کہ مخدوم حاسی سے ظاہر ہے۔
شاید مولانا مخدوم سے سہو ہو گیا ہے۔

ماضی العزیمۃ کا مجسام المفصل
یجی الصحاب اذا تکون عظیمۃ
واذا هم نزلوا فمادی العیل

اس کے مونڈھے اور کنارہ سابق کے اور کچھ نہیں
لگتا۔ اور مثل تلوار کے پرتلہ کی لپٹا ہوا ہوتا ہے
اور جب تو اسے پہاڑ کی گھاٹیوں میں پھینک دے

تو اس کی چوٹیوں سے ایسا جلد اترنا دیکھے جیسے چراغ اپنے شکار پر گرتا ہے اور جبکہ تو اس کے
چہرہ کے محاسن کی طرف نظر کرے گا۔ تو وہ تجھے ایسے معلوم ہوں گے جیسے ابر میں بجلی چمکتی ہے
وہ سخت لڑنے والا ہے کہ اس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا۔ اور مثل شمشیر بران کے
اپنے ارادہ کا پورہ ہے۔ جب سخت لڑائی ہوتی ہے تو اپنے دوستوں کی حفاظت کرتا ہے
اور جب اس کے ہاں مہمان آتے ہیں تو وہ غریبوں کا مادی و ملجا ہے۔

اہل جاہلیت کا یہ بھی خیال تھا کہ جب سہیل طلوع ہوتا ہے تو بہائم میں مری پڑتی ہے
تنبی کہتا ہے۔

بہائم میں
مری پڑنے
کا سبب

اتنکر موتہم وانا سہیل
طلعت بموت اولاد الزناء

کیا تو ان کی موت کا انکار کرتا ہے حال آنکہ میں سہیل
ہوں جو اولاد الزنا کی موت ہی کے لئے طلوع ہوا ہوں

اس شعر میں اولاد الزنا سے مراد بہائم ہیں۔ تنبی کا مطلب یہ ہے کہ اور شاعر جو میرے
مصرعے میرے مقابلہ میں لیے ہیں جیسے بہائم۔ اور میں ان کے مقابلے میں ایسا ہوں جیسے
سہیل کے طلوع ہونے سے بہائم میں دیا پھیل جاتی ہے اور وہ مرنے لگتے ہیں اسی طرح
میرے مصرعے شاعر مجھے دیکھ کر مر جاتے ہیں۔ مولوی نظامی علیہ الرحمہ نے اس شعر کا ترجمہ فارسی میں
کیا ہے۔

ولد الزنا ست حاسد منم آنکہ طالع من

منجملہ لوہام جاہلیت کے ایک یہ بات تھی کہ جب کسی کو جنون ہو جاتا یا ارواح خبیثہ چپٹ جاتی
تو اس کے گلے میں حیف کے چھترے یا مردہ کی پرانی ہڈیاں ڈال کر اس کو نجس کر دیتے۔ اُن کے
خیال میں جنوں اور ارواح خبیثہ کے دفعیہ کی یہ ایک عمدہ تدبیر تھی اور اس سے بڑھکر اور کوئی
علاج نہ تھا۔ ان کا اس امر پر اتفاق تھا کہ عشق کے سوا اور قسم کے جنوں سے نجس کرنا شفا بخشتا
ہے خصوصاً مردہ کی پرانی ہڈی باندھنا سب سے زیادہ مفید ہے شعرائے جاہلیت نے اپنے

جنون اور
ارواح
خبیثہ کا
علاج

اشعار میں اس رسم کا ذکر بہت کیا ہے مہزق عبدی کہتا ہے

کاش میری ہمسایگی میں دو عورتیں اور ایک منتر پڑھنے
والا ہوتا اور کوئی لٹکانے والا مجھ پر نجاستیں لٹکا دیتا

فلوان عندی جازنین وراقیا
وعلق انجاسا علی المعلق

ایک اعرابی کہتا ہے

لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ فلا نے خدا تیرا بھلا کرے تو
اپنے جسم کے کسی حصے پر مردہ کی پرانی ہڈیاں باندھ لے

يقولون علق يالك الخیر رمة
وہل ینفع التجیس من كان عاشقا

بھلا کہیں عاشق کو بھی تجیس نفع دیتی ہے؟

ایک عورت نے اپنے کو نجس کیا تھا جب تجیس نے اسکو کچھ نفع نہ دیا اور مر گیا تب اس نے

یہ شعر کہا

میں نے اس کو نجس کیا تھا۔ لیکن وہ نہ بچا۔ تجیس کچھ
نفع نہیں دیتی۔ اور جانیں موت سے بچ نہیں سکتیں

نجستہ لا ینفع التجیس
والموت لا تقوت النفوس

ایک اور شاعر کہتا ہے

وہ میرے پاس نجاستیں اور نجاست پیٹنے والے
کو لائے سو میں نے ان سے کہا کہ جو اللہ نے تقدیر

اتونی با نجاس لہم ومنجس
فقلت لہم ما قدر اللہ کائن

میں کہا ہے وہی ہو گا

جنون کا
علاج

ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص عرصہ دراز تک بیمار رہتا اور اس کی نسبت یہ خیال ہوتا کہ
اس پر جنون کا اثر ہے۔ کیونکہ اس نے فلاں وقت سانپ یا یربوع یا قنفذ کو مارا تھا۔ تو مارا ہوا
تو مٹی کے چند اونٹ بنائے۔ اور گہیوں اور جو اور کھجور کی گونیں بھر کر ان پر لادے اور سورج
ڈوبتے وقت مغرب کی طرف انہیں ایک سورج میں کر دیتے۔ اگلی صبح کو انہیں دیکھتے۔ اگر انہیں
اپنی حالت پر پاتے تو کہتے کہ دیت قبول نہیں کی گئی۔ پھر ان کی تعداد بڑھاتے اور اگر انہیں گرا
ہوا اور جنس کو بکھرا ہوا پاتے تو کہتے کہ دیت قبول ہو گئی اور مریض کے شفا پانے پر دلیل پکڑتے
اور خوشی میں دوت بجاتے

ایک شاعر کہتا ہے

قالوا وقد طال عناي والسقم
احمل الى الجن جمالات وضم
فقد فعلت والسقام لمرير
فبالذي يملت برني اعتصر

جب میری تکلیف اور بیماری طول پکڑ گئی تو
لوگوں نے مجھ سے کہا کہ جنہوں کے پاس مٹی کے
اونٹ بیچ رہیں ان کے کہنے کے مطابق کیا
لیکن بیماری نہ ٹلی۔ سو جو میری شفا کا مالک ہے میں

اسی پر بھروسہ کرتا ہوں *

یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی سانپ کو مار ڈالتا تو اس خوف سے کہ کہیں جن اس کا بدلہ نہ لے
گو بر توڑ کر اس کے سر پر ڈال دیتا۔ بعض سانپ کے سر پر تھوڑی سی راکھ ڈال دیتے تھے اس
عمل سے پھر ان کو جن کے بدلے لینے کا اندیشہ نہ رہتا تھا *

جس کسی کو رونندہ آتا تھا تو اس کی یہ تدبیر کرتا تھا کہ اونٹ کے کوہان اور جگر کے پارچہ
بھونتا اور کھاتے وقت ہر لقمہ پر اوپر کی پلک پر انگشت شہادت پھیرتا اور یہ منتر پڑھتا تھا *

مے کوہان اور جگر کیا تم میرا رونندہ دور نہ کرو گے
رونندے کی شفا تو جگر اور کوہان ہی جو اس عمل سے

غیا سناما و اکبد۔ آلا اذہا بالیہدین
لیس شفاء الیہدین۔ آلا السنام و اکبد

ان کے گمان میں رونندہ جاتا رہتا تھا *

ایک رسم یہ تھی کہ جب کسی عورت کا شوہر اس سے جدا ہوتا تو وہ اس کے پاؤں تلے کی
مٹی اٹھا لیتی اور اپنے پاس رکھتی۔ یہ ان کے خیال میں شوہر کے جلد واپس آنے کا ایک موثر
اور مجرب عمل تھا۔ ایک عورت کہتی ہے *

اخذت ترابا من مواطی رجبلہ
غدا آکما یؤوب مسلما

جس صبح کو وہ روانہ ہوا میں نے اس کے پاؤں
تلے کی مٹی اٹھا لی تاکہ صبح سلامت واپس آئے *

عرب جاہلیت کی خرافات میں سے ایک یہ بات تھی کہ جب کوئی مرد کسی عورت پر عاشق
ہو جاتا اور اس کا عشق حد سے بڑھ جاتا اور کسی طرح تسلی نہ ہوتی۔ تو ایک آدمی بچہ کی طرح اس کو اپنی
پٹھ پر اٹھاتا۔ اور دوسرا آدمی کھڑا ہو کر لوہا یا لوہے کی سلائی گرم کر کے اس کے دونوں جوڑوں
کے درمیان درغ دیتا یا لیا کرنے سے ان کے زغم میں اس کا عشق جاتا رہتا ہے۔ عرب نے
اس مضمون کو اپنے اشعار میں کثرت سے باندھا ہے۔ ایک اعرابی کہتا ہے کہ *

سانپ کر
کیا کرتے
تھے

شکوری کا
علاج

شوہر کے سفر
سے جلد واپس
آنیکا عمل

عشق کا
علاج

کویم بین راتقی جھلا
ونار القلب یضر مہا غرام

تم نے براہ جہالت میرے دونوں چوڑوں کے درمیان
واغ ویا حال آنکہ عشق کی آگ دل میں بھڑک رہی ہو

وقال آخرہ

شکوٹ الی رفیق اشتیاقی
نجاءاتی وقد جمعا دوا
وجاؤا بالطیب لیکویا
ولا ابغی عد متھا اکواء
ولوا یتا بسلمی حین جاء
لعاضاتی من السقم الشفاء

میں نے اپنے دونوں رفیقوں سے اپنے اشتیاق کی
شکایت کی وہ دونوں میرے پاس آئے اور دونوں
نے میرے لئے دوا جمع کی۔ اور مجھے واغ ویا حال
کے لئے میرے پاس طیب کو لائے حال آنکہ میں
واغ نہیں چاہتا۔ خدا ان دونوں کو کہوئے جب وہ
میرے پاس آئے تھے اگر سلمیٰ کو بھی اپنے ساتھ لیتے

آئے تو ضرور بیماری سے وہ مجھے شفا دیتے

نجلہ خرافات عرب جاہلیت کے ایک یہ بات تھی کہ جب کوئی مرد کسی عورت پر عاشق ہو جاتا
اور عورت اس پر۔ تو مرد عورت کا برقع پھاڑ دیتا اور عورت مرد کی چادر پھاڑ دیتی۔ اس عمل کے
کرنے سے ان کے زعم باطل میں ان کی محبت ہمیشہ قائم رہتی تھی اور کبھی آپس میں ناچاتی
یا ایک دوسرے سے عداوت نہیں ہونے پاتی تھی۔ لیکن اگر وہ یہ فعل نہیں کرتے تھے۔ تو ان
کی محبت جاتی رہتی تھی۔ جاہلیت کے شعراء نے اس مضمون کو بھی اپنے اشعار میں کثرت سے
باندھا ہے۔

شققہ ردائی یوم بوقتہ عاج
وامکنتی من شقی بوقتہ السحی
فما بال ہذا الود لجمہد عینا
ویجمع حبل الوصل ما بیننا عفا

برقعہ عاج کے دن تو نے میری چادر پھاڑی
اور مجھ سے پناہ پرانا برقع پھڑولیا۔ پھر اس کا
کیا سبب ہو رہا ہے کہ اسے جاتی رہی ہو
وہ عمل کی رسم تو شک کی ہو

نجلہ خرافات جاہلیت کے ایک یہ امر تھا کہ جب کوئی شخص سفر کو جاتا یا تلو و رخت کی کسی
خلع یا اس کی جڑ میں ایک ڈورا باندھ دیتا۔ جب سفر سے واپس آتا تو اس ڈورے کو دیکھتا
اگر اسے اسی طرح بندھا ہوا پاتا تھا تو اس کی پیروی کرتا۔ اگر کسی نے اسے نہیں بندھا تھا تو اسے نہیں

کی اور اس کے دامن عصمت پر داغ نہیں لگا۔ لیکن اگر اس ڈورے کو نہ پاتا یا اسے کھلا ہوا پاتا تو کہتا کہ میری بیوی نے میری خیانت کی اور وہ اپنی عصمت کھو بیٹھی۔ اس ڈورے کا نام ان کے یہاں رتم اور رتمہ تھا۔ ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ ایک عربی نے سفر کا ارادہ کیا۔ وہ اپنی عورت کو وصیت کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ خبردار میرے پیچھے کسی سے آنکھ نہ لڑانا اور کسی کو اپنی عصمت نہ دے۔ بیٹھنا۔ کیونکہ میں نے تیرے لئے درخت پر رتم باندھا ہے اگر تو کسی سے ملوث ہوگئی تو یہ رتم کھل جائے گا۔ اس خیال کا بھی شعراء جاہلیت نے اپنے اشعار میں کثرت سے ذکر کیا ہے۔ قال الشاعر

خانتہ لما زات شیباً بمفرقہ

وغیر حلفہا والعقد للرتم

وہو کے میں رکھا بد وقال آخر

لا تحسبن رتائما عقد تھا

تبتک عنہا بالیقین الصادق

عورت نے جب شوہر کا سر سفید دیکھا تو اس کی خیانت کی اور شوہر کو اس کے حلف اور رتم کے باندھنے نے

جو ڈورے تو سنے درختوں پر باندھے ہیں ان کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ تجھے عورت کے حالات کی نفسیاتی

اور سچی خبر دیں گے۔

میدانی کہتے ہیں کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کوئی ان میں سے سفر کا ارادہ کرتا تو ایک ڈورہ درخت پر باندھ دیتا اور اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا کہ اگر اس کی بیوی اس کے پیچھے اپنی عصمت کھوے گی تو وہ ڈورہ کھل جائے گا۔ اس ڈورے کا نام ان کے یہاں رتم اور رتمہ تھا۔ اس کے سوا وہ لوگ بخار کے لئے بھی رتم باندھتے تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو اسے کھوئے گا باندھنے والے کا بخار اس کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس خیال کی بھی شعراء جاہلیت کے اشعار سے تائید ہوتی ہے۔ قال الشاعر

میں نے رتم کھول دیا تھا اس لئے میں ایک مہینے تک بیمار پڑا رہا اور ہر ایک مکر وہ دوا کے پینے کی مصیبت

حلت ریمۃ فمکنت شہرا

اکابد کل مکروہ الداء

جیلتا رہا۔

میں نے خرافات اہل جاہلیت کے ان کا یہ قول سنا کہ عورت مقلاۃ یعنی جس کی اولاد نہ جیتی ہو

مرتب بیانی
۱۱۲ ج

جب کسی شریف مقتول کی لاش اپنے پاؤں سے روندے تو اس کی اولاد جینے لگتی ہے یہ عہاد
فقط اس شریف کی لاش کی نسبت رکھتے تھے جو دھوکے سے قتل کیا گیا ہو یا قصاص میں مارا
گیا ہو۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ عورت بمقلاتہ شریف مقتول کی لاش پر سات مرتبہ پھرتی تھی یہ
نیال بھی شعرائے جاہلیت کے اشعار میں موجود ہے قال بشر بن ابی حازم سے

تخل مقالیت النساء يطأنه
يقفن إلا يلقي على المرء ميزر

جن عورتوں کی اولاد نہیں جیتی وہ اسے اپنے پاؤں سے
روند رہی تھیں اور یہ کہتی جاتی تھیں کہ اس مرد پر ازار

کیوں نہیں ڈالا جاتا؟

وقال آخره

جب لوگوں نے یہ کہا کہ عمرو بن مرہ قتل ہو کر گڑھے میں
جا پڑا تو وہ عورتیں اسے آچھیں جن کی اولاد نہیں جیتی تھی؟

بتاشرت المقالت حين قالوا
لثوى عمرو بن مرة بالحفير

منجملہ نرافات اس جاہلیت کے ایک ان کا یہ فعل تھا کہ جب کسی لڑکے کا دانت گر جاتا تو
اسے انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان دبا لیتا اور جب سوبج نکلتا تو اس کی طرف منہ
کر کے کھڑا ہو جاتا اور اس کو سوبج کی طرف پھینک دیتا اور کہتا کہ اے سوبج مجھے اس دانت
سے اچھا اور خوبصورت دانت بدل دے اور اپنی شعاع سے اس کی تابی کی مشاد دے، اسی خیال
کی بنا پر جاہلیت کے مشہور اور نامور شاعر طرفة بن عبد نے اپنے معلقہ میں اپنی معشوقہ کی صفت
میں شعر کہا ہے

سقتد اياة النمس الثلاثه
انسف ولم تكد مم عليه با مشد

اس کے دانتوں کو سوبج کی شعاع نے چمکا دیا ہے

لیکن اس کے مسوڑھوں کو نہیں چمکایا بلکہ ان پر اشد جو

ایک قسم کا سیاہ سرمہ ہوتا ہے چھڑکا گیا ہے اور اس نے ان دانتوں سے کسی چیز کو کانا نہیں
یہ شاعر اپنی معشوقہ کے دانتوں کی تعریف کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوبج نے انہیں چمکایا
ہے یعنی سوبج نے انہیں اپنی روشنی مستعار دیدی ہے جس سے وہ سوبج کی طرح چمکتے ہیں۔
اور اس نے ان سے کسی چیز کو کانا نہیں جو ان میں اثر کر کے ان کی چمک کھودتی۔ پھر کہتا ہے
کہ اس کے مسوڑھوں کو نہیں چمکایا کیونکہ مسوڑھوں کی چمک اس عرب کے نزدیک پسندیدہ

دانت کے
خوبصورت
ہونے کی نمبر

اور قابل تعریف نہیں ہے پھر کہتا ہے کہ اس کے مسوڑھوں پر اٹھ چہر کا ہوا ہے۔ یہ اس
کہا کہ عرب کی عورتیں لبوں اور مسوڑھوں پر اٹھ چہر دکتی تھیں جس سے دانتوں کی چمک اور
بھی بڑھ جاتی تھی۔ اٹھ چہر کنا ایسا ہی تھا جیسے ہمارے ہاں کی عورتیں مٹی لگاتی ہیں۔

یہ معلوم کرنی
مذہب کے مفقود
انجمن زندہ
ہے یا مرگیا

اہل جاہلیت کے اوہام و خرافات میں سے ایک یہ بات تھی کہ جب کوئی ان کا عزیز و قریب
غائب ہو جاتا اور کہیں اس کا پتہ نہ چلتا تو ایک پرانے گہرے اور تاریک کنویں پر جاتے اور
کنویں میں سے جھکا کر نین مرتبہ اس کا نام لیکر اس کو پھارتے اور یہ اعتقاد رکھتے کہ اگر وہ مر گیا ہے
تو ایسا کرنے سے انہیں کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اور اگر زندہ ہوگا تو انہیں آواز سنائی
دے گی بعض اوقات انہیں آواز آنے کا وہم ہو جاتا تھا یا کنویں سے گونج کی آواز سنتے تھے اور
اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کرتے۔ قال الشاعر

دکھنا دیتد دلیل مسلح
بعادتی البشار فہا اجابا

راتوں میں میں نے اُسے پرانے اور اندھیرے اور گہرے
کنوؤں پر جا جا کر پکارا۔ لیکن اس نے مجھے کچھ جواب نہ دیا

جنگ فروع
کرنیکی منبر

جاہلیت کے عربوں کی جہالت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب کوئی دشمن ان پر چڑھائی کرتا تو اپنی
عورتوں کو میدان جنگ میں نکالتے اور صفوف قتال یعنی اپنی اور دشمن کی صفوں کے درمیان
ان سے پیشاب کرواتے اور وہ پیشاب کرتیں اس سے ان کے خیال باطل میں لڑائی کی آگ بجھ جاتی
اور فریقین صلح کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کا پختہ اعتقاد تھا کہ اگر عورت صفوف قتال
کے درمیان پیشاب کر دے تو لڑائی کی آگ بجھ جاتی ہے اور فریقین صلح کی طرف مائل ہو جاتے
ہیں۔ قال الشاعر

لقمنا بالال النساء جہالۃ
وخن فلا قیہم بیض قواضب

وہ براہ جہالت ہم سے عورتوں کے پیشاب کے ساتھ ملے
اور ہم ان سے غم شیر ہائے براں کے ساتھ ملے۔

وقال آخرہ

ھیہات رد الخیل بالابوال
اذا غدت فی صور السعالی

جب ہمارے گھوڑے صفوف جنگ میں غول بیابانی
کی صورت بن جائیں تو اس وقت ان کا عورتوں کے

پیشاب سے دفع کرنا بہت بعید ہے۔

فاجرہ عورت
کی فسادیت

جاہلیت کے لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ جو شخص بھونری دار گھوڑے پر سوار ہو اور اس کے نیچے گھوڑے کو پسینہ آجائے۔ تو اس کی عورت غیر مردوں سے بھنس جاتی اور بدکاری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے :-

اذا عرق المہقوع بالمرء الغظت
حلیتہ وازداد حرّاً عجاً نہا

دوسرا شاعر اس کی تردید میں کہتا ہے :-

وقد یربک المہقوع من لیس مثله
وقد یربک المہقوع زوج حصان

کبھی بھونری دار گھوڑے پر عقیقہ اور پاکدامن عورتوں کے شوہر بھی سوار ہوتے ہیں :-

پاؤں کے سن
دور کرنے کی
نمبر

جاہلیت میں جب کسی آدمی کا پاؤں سن ہو جاتا تو اس کا علاج یہ کرتا تھا کہ اپنے محبوب کو یاد کرتا یا اسے آواز دے کر پارتا اس عمل سے اس کے پاؤں کا سن ہو جانا جاتا رہتا تھا۔

قال الشاعر :-

علیٰ ان رجلی لا یزال امڈلاً لہا
مقما بہا حنۃ اجیلک فی فکری

میرا پاؤں ہمیشہ سن رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں تیرا تصور کرتا ہوں :-

کثیر کہتا ہے :-

اذا مڈلت رجلی ذکرک اشتفی
بدعوائک من مڈل بہا فہون

جب میرا پاؤں سن ہو جاتا ہے تو میں تجھے یاد کرتا ہوں اور تجھے پکار کر اس کے سن سے شفا پاتا

ہوں۔ اور میرا پاؤں ہلکا ہو جاتا ہے :-

جیل کہتا ہے :-

وانت لعینی قرة حین نلتقی
و ذکرک یشفی اذ اخذت رجلی

اے محبوب جب ہم تم ملتے ہیں تو تو میری آنکھوں کی ٹھنک ہوتی ہے۔ اور جب میرا پاؤں سن ہو جاتا ہے تو تیرا

ذکر مجھے شفا دیتا ہے :-

ایک عورت کہتی ہے :-

اذا حذرت رجلی دعوت ابن مصعب

جب میرا پاؤں سن ہو جاتا ہے تو میں ابن مصعب

فان قلت عبد الله اجلی فتورھا
تو اس کا سن جاتا رہتا ہے +
ایک اور شاعر کہتا ہے +

صحب عجب اذا ما رجله خدرت
نادی کبیشۃ حتی یناھب الخدر
کہ اس کا سن جاتا رہتا ہے +
موصلی کہتا ہے +

وانلک ما خدرت رجلی وما خدرت
اکاذ کریت حتی یناھب الخدر
جاتا رہتا ہے +

ویدین یزید کہتا ہے +
انہی ہائیکلفا معینا
اذا خدرت لہ رجل مالک

عاشق سرگشتہ مصیبت زدہ سے مل جب اس کا پاؤں
سن ہو جاتا ہے تو وہ تجھے بلاتا ہے +

جاہلیت کے لوگوں کو اسی قسم کا ایک یہ وہم تھا کہ جب کسی آدمی کی آنکھ پھر کئی تو کہتا کہ میں
اپنے محبوب کو دیکھوں گا۔ اگر وہ غائب ہوتا تو اس کے آنے کی توقع کجانی اور اگر دور ہوتا تو اس
کے قریب ہونے کی توقع کجانی۔ بشر کہتا ہے +

اذا اختلفت عینے اقول لعلھا
فتاة بنی عمر و بها العین یلمع

ایک اور شاعر کہتا ہے +
اذا اختلفت عینے ینقنت اسنے
اراک وان کان المزار بعیدا
کیوں نہ ہو +

ایک اور شاعر کہتا ہے +

آئینہ پرکھنے
سے ٹھکون

اذا اذلت عینہ اقول لعلہا
لو دیتھا تھتاہ عینہ و تطرف

جب میری آنکھ پھڑکتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ شاید وہ
محبوبہ کے دیکھنے کیلئے پھرک رہی ہے

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی آدمی کسی گانوں میں جانا چاہتا اور اس کو اس
گانوں کی دبا یا اس کے جنات کا خوف ہوتا تو اس گانوں کے اندر داخل ہوتے سے پہلے اس کے
دروازہ پر کھڑا ہو کر گدھے کی بولی بولتا۔ پھر اپنے گلے میں خرگوش کے ٹخنے کی گرہ ڈالتا یہ دبا اور جنوں
کا ان کے ہاں تعویذ اور منتر تھا اور اس گدھے کی بولی کو وہ لوگ تعشیر کہتے تھے۔

ایک شاعر کہتا ہے

جب سوت آئے گی تو تجھے نہ خرگوش کے ٹخنے کی
گرہ گلے میں ڈالنا بچا سکے گی اور نہ تعشیر

لا یجتنک من حمام واقع
کعب تعلقہ ولا نقشیر

اسی کے مشابہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی جنگل میں بھٹکتا پھرنا اور سے رستہ نہ ملتا
تو اپنے کرتے کو اٹھا اور دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجاتا۔ ایسا کرنے سے اسے رستہ مل جاتا۔
اس مضمون کے متعلق بھی شعراء کے اشعار کثرت سے ہیں۔

رستہ پائی
نرکیب

جاہلیت کے تمذیلات میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ جب کسی کی اونٹنی بدکتی تو وہ اس
کی ماں کا نام لیتا۔ اس سے اس کی وحشت دور ہو جاتی۔ سکری کہتا ہے

اونٹنی کے
برسنے کا
علاج

میں نے اس سے کہا کہ اس کی ماں کا نام گیلے
لے پکار یہ تیری مطیع ہو جائے گی اور اس کی وحشت

فقلت لہ ما اسم امہا ہات فادعہا
تجبت و سیکن و دعہا و نفا رہا

اور نصرت جاتی رہے گی

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ اگر کسی اونٹ کے لب میں پھنسیاں نکل آئیں۔ تو اس کے
لئے صبح اور تندرست اونٹ کو داغ دیتے۔ ایسا کرنے سے ان کے خیال میں بیمار اونٹ
اچھا ہو جاتا تھا۔

بائی
پھنسیوں
کا علاج

یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کے پاس ہزار اونٹ ہو جائے تو وہ اس خوف سے کہ کہیں
انہیں نظر نہ لگ جائے۔ ایک ٹراونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتا۔ پھر جب ہزار سے بڑھ جائے

تو یہ تقفیر

سے و یکھو بلوغ الارب فی احوال العرب بلعہ دوم

تو اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ۛ

وهب لنا وانت ذوامتنا

تقافيا عين البصران

ایک اور شاعر کہتا ہے ۛ

فكان شكر القوم عند المنن

كأن للصحيحات وفقاً لا عين

تو صاحب احسان ہے ہم کو اتنے اونٹ بخش کہ ان میں سے دو اونٹوں کی آنکھیں پھوڑی جائیں

احسان کے وقت قوم کا شکریہ۔ تندرست اونٹوں کو داغ دینا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دینا ہے ۛ

یہ بھی دستور تھا کہ جو اونٹ کسی بادشاہ کا عطیہ ہوتے تھے۔ ان کے کوبان میں تھنڈیاں گاڑ کر ان پر کپڑے کی پھوٹی چھوٹی دھجیاں بطور پھریرہ کے لگاتے تھے ۛ

یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو سانپ کاٹ لیتا اس کے گلے میں عورتوں کا زیور اور جھانجھ ڈال دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے سانپ کا زہر نہیں چڑھتا بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مار گزیدہ سو جائے گا تو زہر اس کے تمام بدن میں سرایت کر جائے گا اور اس سے مار گزیدہ مر جائے گا۔ اس لئے وہ اس کو زیور اور جھانجھ اور ان کی آواز میں مشغول رکھتے تھے۔ اور مقصود یہ تھا کہ وہ سونے نہ پائے۔ یہ قول نضر بن شمیل رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن بعض اعراب کے قول سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اعراب سے پوچھا گیا کہ تمہارا مقصود مار گزیدہ کے گلے میں عورتوں کا زیور اور جھانجھ ڈالنے سے اس کا بیدار رکھنا ہوتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ زیور بیدار رکھنے کی چیز نہیں ہے۔ لیکن یہ ہماری ایک سنت ہے جسے ہم نے اپنے بڑوں سے لیا ہے ۛ

اگرچہ ظاہر میں اس نقل سے نضر بن شمیل کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ لیکن اس سے واقع اور نفس الامر میں ان کے قول کی تردید نہیں ہوتی یہ سچ ہے کہ یہ سنت بڑوں سے ملی آتی تھی۔ لیکن آخر بڑوں نے بھی تو کسی بنا پر یہ سنت ایجاد کی ہوگی بعض شعراء کے کلام سے بھی نضر بن شمیل کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ ہم یہاں پر اس کے متعلق چند اشعار نقل کرتے ہیں جن جن اشعار سے نضر بن شمیل کے قول کی تائید ہوتی ہے ان کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں

ہے ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں +

ناغہ کہتا ہے

فت کانی ساورتی ضئلة
من الوقش فی اینا بها السم ناقع
یسهد من لیل التام سلیمها
بجلی النساء فی ید ید قعاقع

بجئے رہتے ہیں بیدار رکھا جاتا ہے +

غیر کہتا ہے

فت معنی بالہومر کانی
سلیم نفی عند الرقاد اجملا جل

کھودی تھی +

ایک اور شاعر کہتا ہے

کانی سلیم سهد الحلی عینہ
فواقب من لیل التام الکواکبا

جیل کہتا ہے

اذا مالذ یغ ابرا الحلی دائہ
فخلیل امسی یا بثینہ دائیا

بنی عذرہ کا ایک شاعر کہتا ہے

کانی سلیم نالہ کلم حبة
تری حولہ حلی النساء موضعا

ایک اور شاعر کہتا ہے

وقد علوا بالبطل فی کل موضع
وغتر واکما غر السلیم اجملا جل

میں نے ایسی بیکلی میں رات گزاری کہ گویا مجھے پتلے
رنگ کی تیلی سنگ نے ڈس لیا ہے جس کے دھنوں
میں نہایت قوی اور تیز زہر ہے ساری رات اس کا
ڈسا ہوا عورتوں کے زیور سے جو اس کے ہاتھوں میں

غموں کی وجہ سے میری ساری رات بیقراری میں کٹی
گویا میں ایک مار گزیدہ تھا جس کی نیند جھانچھوں نے

گویا میں ایک مار گزیدہ تھا جس کی آنکھیں زیور نے سیدار
رکھیں رسو تمام رات تارے گنتا رہا +

مار گزیدہ کو زیور شفا بخشنا ہے اے بٹینہ تیرے زیور نے
مجھے بیمار کر دیا +

گویا میں ایک مار گزیدہ ہوں جسے سانپ ڈس گیا ہے
اور تو اس کے گرد عورتوں کا زیور رکھا ہوا دیکھتا ہے +

انہوں نے ہر جگہ جھوٹے بہانے بنائے اور مجھے اس طرح
دھوکا دیا جس طرح مار گزیدہ کو جھانچھیں دھوکا دیتی ہیں

اگرچہ نصر بن نفیل کا قول عقل اور قیاس کے مطابق تھا۔ اور بعض شعرا کے کلام سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ لیکن بعض روایات نے ایسی بات بیان کی ہے جس میں عقل کو کسی طرح دخل نہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر مارگزیدہ کے گلے میں سونے کا زیور لٹکایا جاتا تھا تو وہ اچھا ہو جاتا تھا اور اگر رنگ یا رنگ کا زیور لٹکاتے تھے تو مر جاتا تھا۔

عرب جاہلیت کا عام خیال تھا کہ اگر بچپنوں کے ذریعے سے کسی بادشاہ کے بایں ہاتھ کی پنج کی انگلی کا خون لیا جائے اور اس کو چھوڑے میں رکھ کر باؤ لے کتے کے کاٹے ہوئے کو کھد دیا جائے۔ تو اس سے اُس کو شفا ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں یہ خیال صحیح ہے یا نہیں لیکن جاہلیت میں یہ خیال عام تھا۔ ابو البرج کہتا ہے کہ

روایات
کے
کے
کا علاج

وہ لوگ عمدہ باتوں کے بانی اور زخموں کے معالج ہیں
اُن کے خون باؤ لے کتے کے کاٹے ہوئے کو شفا دیتے

بناء مکارم واساۃ کلیم
دماء هم من الکلب الشفاء

ہیں۔ یعنی وہ لوگ بادشاہ ہیں۔

ایک یہ رسم تھی کہ جب کوئی بہان یا کوئی اور شخص ان سے جدا ہوتا اور اس کا واپس آنا نہ چاہتے۔ تو جب وہ ان سے رخصت ہوتا اس کے پیچھے اپنا کوئی برتن توڑ دیتے یہ بھی ایک عمل تھا جس پر جاہلیت میں عموماً سب لوگ عامل تھے۔

بہان کے
دوبارہ نہ
آئے کی تدبیر

ایک شاعر کہتا ہے

کسرنا القدر بعد ابی سواح
فعاد وقد نادى ضیاعاً

ایک اور شاعر کہتا ہے

ولا نکسر الکیزان فی اثو ضیفنا
ولا نکتنا لکفیه زاد الیوجع

پاس واپس آئے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے

نجد ابی ثقیل شرف بلند پر پہنچے ہوئے ہیں اور وہ

اما والله ان بنی نفیل

مَحَلَّ لَوْنٍ بِالْشَرَفِ الْيَفَاعِ
اَناسِ لَيْسَ تَكْسِرُ خَلْفَ ضَيْفٍ
اَوَانِيَهُمْ وَلَا شَعْبَ الْقَصَا

ایسے بھلے آدمی ہیں کہ مہمان کے رخصت ہونے پر
اپنے برتن اور کٹھرے نہیں توڑتے *

ایک یہ رسم تھی کہ جب کسی عورت سے کوئی شخص منگنی کا خواستہ گزار نہ ہوتا تو اپنے سر کے
ایک جانب کے بال بکھیر لیتی۔ اور بکھرے ہوئے بالوں کی جانب مخالف ایک آنکھ میں سرمہ
لگاتی پھر ایک پاؤں پر آہستہ آہستہ چلتی۔ یہ عمل رات میں کرتی اور یہ الفاظ کہتی۔

جلد منگنی
میر جاسے
کا علاج

يَا لَكَءِ۔ ابغى النكاح۔ قبل الصبح

اس عمل کے بعد بہت جلد کوئی نہ کوئی اس سے نکاح کر لیتا۔ ایک شاعر کہتا ہے

تیرے جوجی میں آتے کر۔ اور اپنی آنکھوں میں
سرمہ لگایا نہ لگا۔

پھر گھر میں یا جمع میں ایک پاؤں سے آہستہ آہستہ چل
لیکن میرے خیال میں تجھے شوہر ملنے کا نہیں ہو۔

تَصْنَعِي مَا شِئْتَ اِنْ تَصْنَعِي
وَكَلِي عَيْنِكَ اَوَّلًا وَفَدَعِي
ثُمَّ اَحْمَلِي فِي الْبَيْتِ اَدْنٰى الْمَجْمَعِ
مَالِكٌ فِي بَعْلِ اَرْنٰى مِنْ مَطْمَعِ

ایک اور شاعر کہتا ہے

ایک آنکھ کو سرمہ لگایا اور ایک کو نہ لگایا اور ایک
پاؤں سے آہستہ آہستہ چلی اور بال بکھیر لئے جس بات
کو تو موجب عیب جانتا ہے وہ اس کو موجب زینت

قَدْ كَحَلْتُ عَيْنًا وَاَعْفَتُ عَيْنًا
وَجَحَلْتُ وَنَشَرْتُ فَتَرِينَا
تُظَنُّ زِيَا مَا تَوَاكُلُ شَبِينَا

گمان کرتی ہے *

ایک یہ رسم تھی کہ جس لڑکے کے لب پر پھنسیاں نکل آتیں وہ اپنے سر پر چھلنی رکھ کر قبیلہ
میں گھر گھر کہتا پھرتا۔ اَحْلَا اَحْلَا الطَّعَامِ الدَّعَامِ۔ عورتیں روٹی کے ٹکڑے اور چھوارے اور
گوشت اس چھلنی میں ڈال دیتیں۔ پھر وہ لڑکا اس کو کتوں کے آگے ڈال دیتا کہ اس کو کھا جائے
اور وہ اچھا ہو جاتا۔ اگر اور کوئی لڑکا اس کو کتوں کے آگے ڈال دیتا کہ اس کو کھا جاتے اور
وہ اچھا ہو جاتا۔ اگر اور کوئی لڑکا اس میں سے کوئی چھوارہ یا لقمہ کھا لیتا تو اس کے لب پر پھنسیاں
نکل آتیں۔ ایک عورت کہتی ہے

لالہ کے
لب کی
پھنسیوں
کا عمل

الاحلام فی شفة مشقوفة
فقد قضی منخلنا حقوقه

لے پھٹے ہوئے لب کی باقی رہی ہوئی بیماری اب توجانی
رہ کیونکہ ہماری چھلنی اپنے حقوق ادا کر چکی ہے

سفر جانے
وقت مقرر
نہ دیکھنا

عرب جاہلیت کا یہ بھی قول تھا کہ جب آدمی سفر کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلے تو اس کو پیچھے
مڑ کر دیکھنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ پیچھے مڑ کر دیکھے گا تو اسے رستہ ہی سے لوٹنا پڑے گا

بیابانوں
میں جنوں
سے پناہ
پکڑنا

جاہلیت میں جب کوئی شخص میدانوں اور بیابانوں کا سفر کرتا اور اسے درندوں کا خوف ہوتا
تو جنگل میں یہاں درخت ہوتے ایک گول تو وہ پرانی اونٹنی بٹھاتا اور اس کے پاؤں باندھ دیتا۔ پھر
اس تو وہ پر خط کھینچ کر کہتا کہ میں اس جنگل کے حاکم یا سردار کی پناہ مانگتا ہوں ایک شاعر کہتا ہے

قد بت ضیفنا لعظیم الوادی
المانعی من سطوة الاعادی
راحتی فی جاریہ وزادی

میں آج رات جنگل کے سردار کا ہمان ہوں جو دشمنوں کے
حملہ سے مجھے بچائے گا

میری سواری اور توشہ اس کی پناہ میں ہے

ایک اور شاعر کہتا ہے

ہیا صاحب الشجر اهل انت مانعی
فانی ضیف نازل بفنائک
وانت للحنان فی الارض سید
ومثلک ادی فی الظلام الصعالک

اے درختوں کے مالک کیا تو مجھے دشمنوں سے بچائیگا،
میں تیرا مہمان ہوں اور تیرے احاطہ میں مقیم ہوں تو
زمین میں جنوں کا سردار ہے تجھ جیسا ہی محتاجوں کو اندھیرے
میں ٹھکانا دیتا ہے

ایک اور شاعر جس نے جنگل کے سردار سے پناہ مانگی تھی اور اس کے بیٹے کو جو اس کے
ساتھ تھا شیر کھا گیا تھا۔ کہتا ہے

قد استعدنا بعظیم الوادی
من شر ما فید من الاعادی
فلم یجبرنا من ہزبر عادے

ہم نے جنگل کے سردار سے ان دشمنوں کے شر سے جو جو اس
میں رہتے تھے پناہ مانگی۔ سو اس نے ہمیں شیر حملہ کرنے والے
سے پناہ نہ دی

اسی بارہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ

وانہ کان رجال من الانس یعودون
برجال من ایجن فزادوہم دھقا

انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے بعض
اشخاص سے پناہ مانگتے تھے۔ سو انہوں نے

جنوں کی گمراہی اور بڑھاوی ہے

جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ خرگوش کے ٹخنے کی گرہ گلے میں ڈالتے تھے۔ یہ ان کے خیال میں سانپوں اور جنات سے محفوظ رہنے کا ایک ٹوٹکا تھا۔ ابن اعرابی کہتے ہیں کہ میں نے زید بن کثوہ سے کہا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جس کے گلے میں خرگوش کے ٹخنے کی گرہ ہو مکان کے جنات اور سانپ اس کے نزدیک نہیں آتے۔ اس نے کہا ہاں بخدا یہ بالکل صحیح ہے۔ نہ اس کے پاس گھر کے جنات اور سانپ آئیں اور نہ حماظہ کا شیطان۔ اور نہ عشیہ کا ہمسایہ اور نہ بیابان کی چڑیل۔

حماظہ اور عشیہ دو درخت ہیں۔ جو عرب جاہلیت کے خیال میں جنات اور شیاطین کا مسکن ہیں ابو مخلم کہتا ہے عرب کے لوگ لڑکے کے گلے میں لومڑی اور بلی کے دانت ڈالتے تھے۔ اس سے ان کو نہ بچے کو نظر لگنے کا اندیشہ رہتا تھا اور نہ جنوں کے اچک لیجانے کا۔ کہتے ہیں کہ ایک جنیہ نے ایک لڑکے کے اچک لے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ اس پر قابو نہ پاسکی۔ اس پر اس کی قوم کے جنات نے اس کو ملامت کی۔ جنیہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا۔

کانت علیہ نفرہ ثعالب دھردہ
واحیض حیض السمرا

اس کے پاس میرے بھگائے کی چیز تھی یعنی لومڑی اور بلی کے دانت اور کیکر کے درخت کا رس۔

کیکر کے رس سے وہ گوند مراد ہے جو اس میں سے خون کی مانند سرخ سرخ بہتا ہے۔ یہ رس عرب کے نزدیک بڑے کام کی چیز تھا جب عورت کے بچہ پیدا ہوتا تو اس کو لیکر نفسا کی پیشانی پر اس کے نقطے لگا دیتے اور لڑکے کے منہ پر اس سے ایک لکیر کھینچ دیتے۔ ان چیزوں کو جو لڑکوں کے گلے میں ڈالی جاتی تھیں نفرت کہتے تھے یعنی جنات و شیاطین کے بھگانے والی چیزیں۔

جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ جو شخص سفر کو جاتا اور لوگ اس کا واپس آنا نہ چاہتے تو اس کے پیچھے آگ جلاتے اور کہتے کہ خدا اسے دور کرے اور ہلاک کرے اور اس کے پیچھے آگ بھڑکائے۔ یہ تو اس کے ساتھ کرتے جس کا واپس آنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن جب خود سفر کو نکلتے تو اپنے اور اس منزل کے درمیان جہاں کا قصد کرتے آگ جلاتے اور اپنے اور اس منزل کے

درمیان جس سے نکلنے تھے آگ نہیں جلاتے تھے یعنی اپنے آگے آگ جلاتے تھے۔ اپنے پیچھے نہیں جلاتے تھے۔ یہ گویا ایک نیک فال تھی کہ ہم جہاں سے جاتے ہیں وہاں پھر لوٹ کر آئیں گے۔

جاہلیت میں چند قسم کے منکے رائج تھے جو حُب کے عمل یا منتر کا کام دیتے تھے ان منکوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱، سلوانہ جسے سلوہ بھی کہتے ہیں۔ ایک نہایت سفید اور شفاف منکا تھا جسے گھسکر عاشق کو پلاتے تھے۔ ان کے گمان میں اس کے پینے سے اُسے تسلی ہو جاتی تھی۔ اور اس کا عشق جاتا رہتا تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

سَقَوْنِي سَلْوَةً فَسَلَوْتُ عَنْهَا

سَقَى اللَّهَ الْمَيْمَنَةَ مِنْ سَقَابِ

انہوں نے مجھے سلوہ پلایا تو میں بجائے اس کے کہ اپنی پیاری محبوبہ کو بھولتا خود سلوہ کو بھول گیا اور میرا عشق

اور بڑھ گیا۔ سو جتنے مجھے وہ پلایا خدا سے موت کا پیالہ پلاتے۔

۲، ہنمہ۔ یہ منکا عورتوں کے کام کا تھا۔ وہ اس سے مردوں کے دل اپنی طرف کھینچتی اور اس کی تاثیر سے انہیں اپنا عاشق اور فریفتہ بناتی تھیں۔ جاہلیت کی عورتوں کا گمان تھا کہ جس عورت کے پاس یہ منکا رہتا ہے مردوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس کا ایک چھوٹا سا منتر بھی تھا جو اس پر پڑھ کر دم کیا جاتا تھا۔ اور وہ منتر یہ ہے۔

میں نے اسکو ہنمہ کے ساتھ قید کیا۔ سو وہ رات میں میرا

خاوند بن کر رہے اور دن میں بندور۔

اِخْذِ تَدَةً بِالْهَمْدِ بِاللَّيْلِ

زَوْجٍ وَبِالنَّهَارِ اَمْدٌ

(۳) قُسْطَه

(۴) قُبْلَه

(۵) درویش

یہ تینوں منکے بھی عورتیں مردوں کو اپنی طرف کھینچنے اور ان کا دل اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اپنے پاس رکھتی تھیں۔ ان کی تاثیر سے مردان کے عاشق زار اور بے کوڑیوں غلام بن جاتے

۱۔ دیکھو بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲۔

تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے ۷

جمع من قبل لہن و قسطہ
والدرد بدیں قائما فی منظم
خانقادر کل مشذپ موس القوی
عجالہن و کل جلد شیطم

ان عورتوں نے اپنے لئے قبلے اور قسطے اور درد
بیس جمع کئے۔ اور انہیں ایک لڑی میں پرو کر بطور
تعویذ اپنے پاس رکھا۔ اس لئے ہر ایک قد آور اور
چھری سے بدن کا تنگی جو ان۔ جو لڑائی کا پورا ماہر اور مشاق
اور جوڑ بند سے درست تھا۔ اور ہر ایک چست و چالاک۔ پھر تیلار اور تن آور جو ان۔ ان کے جال

میں پھنس کر بے کوڑیوں ان کا غلام بن گیا ۛ

بعض کا قول ہے کہ درد بیس ایک سیاہ سنکا ہے جو اکثر پرانی قبروں میں ملتا ہے اس کی
تاثیر سے عورتیں اپنے شوہروں کی محبوبہ بن جاتی ہیں۔ اور اس سنکے کا منتر جو اس پر پڑھ کر دم کیا
جاتا ہے یہ ہے ۛ

میں نے اسکو درد بیس کے ساتھ پکڑا۔ جو تر کو خشک
اور نئے کو پرانا کر دیتا ہے ۛ

اخذتہ بالدرد بیس۔ تذرا العرق
الیبیس۔ و تذرا الجدید کالدیس

ایک شاعر کہتا ہے ۷

قطعت القید والخزرات عنی
من لی من علاج الدرد بیس

میں نے بیڑیوں اور مشکوں کو توڑ کر اپنے اوپر سے
پھینک دیا۔ لیکن درد بیس سے میرا علاج کون کرے۔

درد بیس کے معنی لغت میں سختی اور بلاء کے ہیں۔ اس سنکے کو اس کے سریع التأثير و قوی

الاثر ہونے کی وجہ سے درد بیس کہتے ہیں ۛ

(۶) قرر علم۔ یہ منکا سوکنوں کے کام کا تھا۔ جب کوئی ایسی عورت جس کے سوکن ہوتی۔

اسے پہن لیتی۔ تو اس کا شوہر اس کی طرف مائل ہو جاتا۔ اور اس کی سوکن کی طرف مائل نہ ہوتا

ایک شاعر کہتا ہے ۷

انتفع القرز حلة العجايزا
اذا قطعنا دونها المفاوذا

جب ہم عورتوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے ہیں
تو ان کو قرز حله نفع نہیں دیتا ۛ

۱۷، عقرہ یہ بھی ایک منکا تھا۔ جب عورت اسے اپنی کمر میں باندھ کر مرد کے ساتھ ہم بستر ہوتی

تھی: تو اس منکے کی تاثیر سے اس کو حمل نہیں ٹھیرتا تھا۔

(۸) پنجلب۔ یہ بھی ایک منکا تھا جو ایل جاہلیت کے گمان میں حب کے لئے اکسیر کا حکم کرتا تھا اس کا منتر جو اس پر پڑھ کر دم کیا جاتا تھا یہ ہے۔

اخذتہ بالینجلب فلا یرم ولا یغب
ولا یزل عند الطنب۔

میں نے اس کو پنجلب سے پکڑا سو وہ نہ اپنی جگہ سے ہلے اور نہ غائب ہوا۔ اور ہمیشہ میرے خیمے

کی رسی کے بند سے بندھا رہا ہے۔

یہ پنجلب کے معنی بھاگنے کے بعد واپس آنے اور بغض کے بعد محبت کرنے کے ہیں چونکہ یہ منکا فرنٹ اور نفور اشخاص کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے تھا اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

(۹) کرار۔ یہ منکا بھی حب اور تخیل کیلئے تھا اس کا منتر جو اس پر پڑھ کر بھونکا جاتا تھا یہ ہے۔

یا کو ادر کسایہ ان اقبل فصریدہ وان
ادبر فصریدہ۔ من فرجہ الی فیہ

اے کرار اسے جلد میرے پاس لوٹا کر لا اگر وہ ادھر متوجہ ہو تو اسے خوش کر۔ اور اگر اس طرف رخ نہ

کرے۔ اور پیٹھ پھیرے تو اس کو اس کی شرم گاہ سے لیکر اس کے منہ تک تکلیف پہنچا۔

یا ہمز لا اہمزید۔ من استہ الی
فیہ ومالہ وبنید۔

اے ہمز۔ اس کے چوڑی میں ایک برچھا لگا جو منہ میں نکل آئے۔ اور اس کو اس کے مال

اور اولاد سے دور کر دے۔

(۱۱) خصمہ۔ یہ منکا حکام اور سلاطین کو اپنی طرف مایل کرنے کے لئے تھا اور اسے انگشتی کے نیگینے کے نیچے یا کرتے کی گھنڈی یا تلوار کے میان میں رکھتے تھے جس کے پاس یہ منکا ہوتا تھا حکام وقت اس کی مرضی کے مطابق مقدمہ طے کرتے تھے۔

ایک شاعر کہتا ہے

یعلق غیری خصمۃ فی لقائہم
ومالی علیکم خصمۃ غیر منطقی

میرے سوا اور لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو اپنے گلے میں خصمہ لٹکا لیتے ہیں۔ لیکن میرے پاس تمہارے

لئے سوائے میری تقریر کے اور کوئی خصمہ نہیں ہے۔

(۱۲) و جہمہ یہ منکا عقیق کی مانند سرخ رنگ کا تھا۔ اور اعمال حب میں کام آتا تھا۔

(۱۳) عطفہ۔ یہ منکا بھی محبت کے لئے تھا۔

(۱۴) کحلہ۔ ایک سیاہ منکا تھا جسے نظر بد سے بچنے کیلئے لڑکوں کے گلے میں ڈالتے تھے۔

(۱۵) قبلہ قسم دیگر ایک سفید منکا تھا جسے نظر بد سے بچنے کیلئے گھوڑے کی گردن میں ڈالتے تھے۔

(۱۶) فسطہ قسم دیگر۔ یہ منکا دشمن کے مارنے اور بیمار کرنے کے لئے تھا۔ منتر اس کا جو

اس پر پڑھ کر دم کیا جاتا تھا یہ ہے۔

میں نے اسے فسطہ۔ اور جا ہی۔ اور چھینک کیساتھ
پکڑا۔ سو وہ ہمیشہ ہلاکت میں پڑا رہا ہے اور ہمیشہ ننگوں
پسے۔ یہاں تک کہ اپنی قبر میں جا سوتے ہیں

اخذتہ بالفسطہ۔ بالثوباء والعطشہ
فلا یزل فی تعسہ من اموہ ونکسہ
حتی یزور رمسہ۔

محبت کے لئے ایک یہ منتر تھا۔

بجلی اور بادل اس کے دل میں میرے عشق و
محبت کی آگ لگا دے۔ اور اسے ہر دم بے قرار
رکھے ہیں۔ اس نے لگن کیساتھ پکڑا ہی۔ سو میری محبت
اس کے دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ اسے
سوئی کے ساتھ پکڑا ہے۔ سو وہ ہمیشہ نکلے اور آتے

ہوابہ۔ ہوابہ۔ البرق والسمابہ
اخذتہ بمراکن۔ فخبہ وتمکن
اخذتہ بابرہ۔ فلا یزل فی عبرہ
جلبتہ باشفی۔ فقلبتہ لا یحدے
جلبتہ بمبرد۔ فقلبتہ لا یبرد

بہا تا رہے ہیں۔ اسے اپنی طرف ستاری کے ساتھ کھینچا ہے۔ سو اس کا دل راہ نہ پائے۔ اور
وہ کہیں کا نہ رہے ہیں۔ اسے سوہان کے ساتھ کھینچا ہے۔ سو اس کا دل ٹھنڈا نہ ہو۔

جس عورت کو اپنے شوہر سے نفرت ہوتی۔ اور اس کی طبیعت اس سے میل نہ کھاتی وہ اس
کے سفر کی منتظر رہتی۔ جب وہ سفر جاتا تو وہ عورت یہ منتر پڑھتی۔

چاند کے چھپنے۔ اور درختوں کے سارے
کے ساتھ باد شمال اسے شمال کو لے جائے
اور کچھوا کچھم کو۔ اور چوبادی ہوا اسے چاروں

بافول القمر۔ وظل الشجر۔ شمال تاملہ
دد بورد برہ۔ ونکباء تنکبہ
شیک فلا انتقش

۱۷ دیکھو بلوغ العرب فی احوال العرب جلد ۳۰

طرف کو دھکیلے۔ اس کے کانٹا لگے۔ اور پھر نہ نکلے۔
 یہ منتر پڑھ کر اس کے پیچھے چند کنکریاں۔ اور کھجور کی گٹھلیاں اور گوبر اور مینگنیاں
 پھینکتی۔ اور یہ کلمات کہتی۔

حصاة حصت اثره۔ و ذاة ناة داره
 و در و شراشت خبره۔ لقعته ببعرة

کنکریوں سے اس کا نام و نشان مٹ جائے
 اور اس کا کھوج باقی نہ رہے۔ گٹھلیوں کی
 تاثیر سے اس کا گھر دور ہو جائے۔ اور گوبر سے وہ ایسا گم ہو جائے کہ پھر کہیں اس
 کا پتا ہی نہ چلے۔ اور کسی کو اس کی خبر نہ ملے۔ میں نے اس کے مینگنیاں پھینک کر ماری
 ہیں اس سے اس کے تمام بدن میں آگ لگ جائے۔

اس کے علاوہ جاہلیت میں اور بھی بہت سے تعویذ اور منتر رائج تھے۔ بشریعت
 غراء اسلام نے ان تمام خرافات و لغویات کی بیخ کنی کی۔ اور یہ ہدایت فرمائی کہ نفع و
 نقصان کی مالک فقط ایک ذات پاک و حدہ لاشریک نہ ہے پس اپنی تمام حاجتیں
 اسی سے مانگو۔ اور اپنے رنج و مصیبت کے وقت اسی کو پکارو۔ اس کے سوا دوسری طرف
 رجوع ہونے میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

اگر کسی کی آنکھ کسی کے کپڑے سے چھوئی جاتی تو اس کے لئے یہ عمل کرتے۔ کہ جس کے
 کپڑے سے چھوئی جاتی۔ وہ اس کی آنکھ پر سات دفعہ ہاتھ پھیرتا۔ اور

پہلی دفعہ۔ باحدی جاءت من المدینة ایک کے ساتھ جو مدینے سے آئی۔

دوسری دفعہ باثنتین جاءت من المدینة دو کے ساتھ جو مدینے سے آئیں

تیسری دفعہ بثلاث جئن من المدینة تین کے ساتھ

چوتھی دفعہ باریع جئن من المدینة چار کے ساتھ

پانچویں دفعہ بخمس جئن من المدینة پانچ کے ساتھ

چھٹی دفعہ بست جئن من المدینة چھ کے ساتھ

ساتویں دفعہ۔ سبعم جئن من المدینۃ سات کے ساتھ جو مدینے سے آئیں۔ کتنا اس عمل کے کرنے سے اس کی آنکھ کو آرام ہو جاتا ہے

عرب جاہلیت ٹوٹکوں اور شگون پر بھی حد درجہ کا اعتقاد رکھتے تھے جب کوئی مصیبت یا تباہی اُن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے۔ اور ان کو پھینکتے تھے۔ اور یہ توقع رکھتے کہ ایسا کرنے سے ان کی وہ مصیبت دور ہو جائے گی۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے بھی نیک و بد شگون لیتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ جاتا تو اس کو نیک شگون سمجھتے۔ اور اس کو سانحہ کہتے۔ لیکن اگر دائیں جانب سے بائیں طرف رستہ کاٹ جاتا تو اس کو بد شگون سمجھتے۔ اور اس کو جارح کہتے۔ اسی طرح اگر پرند اڑاتے اگر دہنی طرف کو اڑنا شروع کرتا تو اسے فال نیک تصور کرتے۔ اور اگر بائیں طرف کو اڑتا تو اسے مخوس خیال کرتے اور اپنے ارادہ سے باز رہتے۔ اس قسم کے تفاؤل کا نام نا طیرہ تھا۔

لبید بن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقع پر جب کہ اس کے بھائی پر بجلی گری اور اس کے صدر سے وہ مر گیا۔ یہ شعر کہا تھا

لعمرك ما تدری الضواری بالخطی	تیری جان کی قسم کہ کنکریاں پھینکنے اور پرند اڑانے
ولا زاجرات الطیر ما دہ صانع	والیوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ خدا کیا کرے گا۔

سہ بعض یہ الفاظ کہتے تھے

- (۱) باحدی من سبعم جئن من المدینۃ اُن سات میں سے ایک کے ساتھ جو مدینے سے آئیں
- (۲) باثنتین من سبعم جئن من المدینۃ اُن سات میں سے دو کے ساتھ
- (۳) بثلاث۔ اُن سات میں سے تین کے ساتھ
- (۴) بأربع۔ ان سات میں سے چار کے ساتھ
- (۵) بخمس۔ اُن سات میں سے پانچ کے ساتھ
- (۶) بست۔ اُن سات میں سے چھ کے ساتھ
- (۷) بسبع۔ اُن سات میں سات کے ساتھ

یہ اعتقاد کہ
ہر ایک شاعر
کا ایک جن
تالیع تھا

جاہلیت میں یہ بھی عام اعتقاد تھا کہ ہر شاعر پر ایک جن موکل ہے۔ جو اُس کو اشعار القاء کرتا ہے۔ یہ اعتقاد تمام شعراء عرب کا تھا اور اس پر سب کا اتفاق تھا۔ چنانچہ انھوں نے اکثر شعراء کے جنات کے نام بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً اعشی کے جن کا نام محل تھا۔ فروبن قطن کے جہنام مغل کے عمرو۔ بشار کے سنفناق۔

عربوں کا یہ اعتقاد مشہور ہے۔ اور شعراء جاہلیت کے اشعار اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں ایک شاعر کہتا ہے کہ

فان شیطانی امیرا نحن
یذہب بی فی الشعر کل فن
میرا شیطان جنات کا سردار ہے۔ جو مجھے ہر فن کے اشعار کے میدان میں لئے پھرتا ہے۔

حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں

ولی صاحب من بنی الشیصبان
فطورا اقول و طورا هوا
(جنات) بنی شیبان میں سے میرا ایک رفیق ہے سو
کبھی میں شعر کہتا ہوں اور کبھی وہ۔

ابو النجم کہتا ہے

انی وکل شاعر من البشر
شیطانہ انثی و شیطانی ذکر
مجھ میں اور شاعروں میں یہ فرق ہے کہ ان کے شیطان
مادہ ہیں اور میرا شیطان نر ہے۔

اعشی کہتا ہے

دعوت خلیلی مسجلا و دعوالہ
جہنام جد عالہجین المذمم
میں نے اپنے دوست مسجل کو بلایا اور انھوں نے کہنے
اور دو غلے قابل مذمت شخص کی ناک کٹوانے کے لئے

جہنام کو بلایا۔

ایک اور شاعر کہتا ہے

ہے شک فرزدق کا جن مقتدا تھا۔

اور ہم میں بمنس کے نر (شیطان) کی مانند کوئی نہیں ہوا
اور نہ شعر گوئی میں کوئی شخص مثل عمرو اس کے شیخ
کی ہوا اور نہ عمرو کے بعد کوئی شاعر مثل مسجل کے ہوا۔

لقد کان جنی الفرزدق قد وہ
ولا کان فیما مثل فحل المخبل
ولا فی القوافی مثل عمرو و شیخہ
ولا بعد عمر و شاعر مثل مسجل

مسجل معنی کے جن کا قصہ مشہور و معروف ہے جسے ہم ناظرین کی تفریح طبع کے لئے نقل

کرتے ہیں +

جریر بن عبداللہ بجلي صحابیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ زمانہ جاہلیت میں میں سفر میں تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اسے پانی پلانے ایک تالاب پر لے گیا۔ جب میں تالاب کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پاس کچھ آدمی جمع ہیں۔ جن کی صورتیں نہایت بُری اور بد شکل ہیں۔ میں اپنے اونٹ کو پانی پلانے لگا۔ اسی اثنا میں ان کے پاس ایک اور شخص آیا جس کی صورت اُن سب سے زیادہ بری تھی۔ انہوں نے اُسے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص شاعر ہے۔ پھر اس سے کہا کہ اے ابو فلاں اس شخص کو جو اپنے اونٹ کو پانی پلا رہا ہے اپنے کچھ اشعار سنا کیونکہ یہ شخص کمزور ہے۔ اس نے ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کا مطلع یہ ہے ۵

ودع هريرة ان الوب ماخل
دهل تطيق وداعا ايها الوجل

تو کیا تو اس سے رخصت ہونے کی طاقت رکھتا ہے +

جریر قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے اس نے اس قصیدہ کی ہر ایک بیت پڑھ کر سنا دی اور اس میں سے ایک بیت بھی کم نہ کی۔ جب میں اول سے آخر تک سارا قصیدہ اس کی زبان سے سن چکا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ یہ قصیدہ کس نے کہا ہے۔ اس نے کہا کہ اور کون کتاب میں نے ہی کہا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو جھوٹا بنے گا۔ تو میں تجھے یہ خبر دیتا کہ یہ قصیدہ ہم کو اُشی قیس بن ثعلبہ پچھلے سال نجران میں سنا چکا ہے۔ اس نے کہا تو بالکل سچ کہتا ہے۔ لیکن اس کی زبان پر میں نے ہی تو اس کو القا کیا تھا میں اس کا صاحب دلمہ مسجل ہوں +

اشی کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں ایک قصیدہ کہا۔ پھر میں اس سے ملنے اور اس کو اپنا قصیدہ سنانے کی غرض سے حضرموت کو روانہ ہوا۔ جب یمن کی سرحد میں پہنچا تو رستہ بھول گیا۔ کیونکہ میں وہ رستہ اس سے پہلے کبھی نہیں

حیات تھا۔ اس پر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ بارش ہونے لگی۔ میں نے ادھر ادھر اپنی نظر دوڑائی۔ تاکہ کوئی پناہ کی جگہ نظر آئے تو میں اس میں پناہ پکڑوں۔ اسی تلاش میں میری نظر ایک بالوں کے ایک خیمہ پر پڑی۔ میں سیدھا اس کی طرف چل دیا۔ جب میں خیمہ کے پاس پہنچا تو میں نے اس کے دروازہ پر ایک بڑھا بیٹھا دیکھا۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اور میری اونٹنی کو ایک دوسرے خیمہ میں داخل کر دیا جو اسی خیمہ کے ایک جانب لگا ہوا تھا۔ میں اپنا کجاوہ کھول کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا میں اعشی ہوں اور قیس بن معدیکرب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا خدا تجھے زندہ رکھے تیری نسبت میرا گمان ایسا ہے کہ شاید تو نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کوئی قصیدہ کہا ہے اور اسے اس پر پیش کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں تمہارا گمان صحیح ہے۔ میں نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ اس نے کہا تو وہ قصیدہ مجھے بھی سنا۔ میں نے اس کو قصیدہ کا یہ مطلع سنایا۔

رحلت سُمیۃ غدوۃ اجمالہا

غضبًا علیک فما تقول بدالہا

رائے ہے بھلا یہ اُسے کیا سوچھی +

سُمیۃ نے تجھ سے ناراض ہو کر صبح ہی صبح اپنے اونٹ کس لیے۔ اے دل اب تیری اس بارہ میں کیا

یہ مطلع سن کر اس نے مجھ سے کہا کہ بس کر۔ اور اشعار سنانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے پھر مجھ سے کہ کیا یہ قصیدہ تیرا ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے کہا سُمیۃ جس کے نام کے ساتھ تو نے تشبیب کی ہے کون ہے۔ میں نے کہا کہ میں اُسے نہیں جانتا۔ یہ ایک نام ہے جو میرے دل میں القا کیا گیا تھا۔ اس پر اُس نے آواز دی کہ ابے سُمیۃ باہر نکل۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پانچ برس کی لڑکی نکلی۔ اور ہمارے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور کہا کہ اباجان کیا حکم ہے اس نے کہا کہ اپنے چچا کو میرا وہ قصیدہ سنا جو میں نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کہا ہے۔ اور اس کے اول میں میں نے تیرے نام کے ساتھ تشبیب کی ہے۔ اس نے وہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور اول سے آخر تک سارا سنا دیا اُس میں سے ایک حرف کی بھی کمی نہ کی جب وہ سارا قصیدہ سنا چکی تو اس نے اس سے کہا کہ اب چلی جا +

اس کے چلے جانے کے بعد پھر وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ اس قصیدہ کے سوا تو نے کبھی اور کوئی قصیدہ بھی کہا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ میرے اور میرے ایک چچا زاد بھائی کے درمیان جس کا نام یزید بن مسہر۔ اور کنیت ابو ثابت ہے نخ چچ تھی۔ جیسے اکثر چچا زاد بھائیوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ اس پر اس نے میری ہجو کی اور میں نے اس کی ہجو کی۔ لیکن میں اسے فوقیت لے گیا اور اس پر غالب آیا۔ چنانچہ میں نے اُسے بالکل ساکت کر دیا۔ اس نے کہا وہ قصیدہ مجھے بھی سنا۔ میں نے اس کو قصیدہ سنانا شروع کیا اور یہ مطلع پڑھا۔

ودع ہریرۃ ان الركب من تحل
وہل تطیق وداعا ایھا الرجل

اے ہریرہ اب ہمیں رخصت کر قافلہ جانے والا ہے
اور اے شخص تو جو ہریرہ سے رخصت مانگتا ہے کیا تو اس سے رخصت ہونے کی طاقت رکھتا ہے؟

جب میں نے اُسے یہ مطلع سنایا تو اس نے کہا کہ بس کر اور کچھ ضرورت نہیں۔ مجھے یہ بتلا کہ یہ ہریرہ کون ہے۔ جس کے نام سے تو نے اس قصیدہ میں تشبیب کی ہے۔ میں نے کہا۔ میں اُسے بھی نہیں جانتا۔ جو سُمیتہ کا حال تھا وہی اس کا حال ہے اس پر اس نے آواز دی کہ اے ہریرہ باہر نکل۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی جس کی عمر پہلی ہی کے قریب تھی نکلی۔ اور ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ بڑھے نے اس سے کہا کہ اپنے چچا کو میرا وہ قصیدہ سنا جس میں میں نے ابو ثابت یزید بن مسہر کی ہجو کی ہے اور اس میں تیرے نام کے ساتھ تشبیب کی ہے۔ اس نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور اس کو اول سے آخر تک سارا سنایا۔ اس میں سے ایک حرف بھی کم نہ کیا اس وقت مجھے سخت ندامت ہوئی۔ ایک حیرانی اور سکتہ کے عالم میں ہو گیا۔ اور شرم سے میرا سر نیچے جھک گیا۔ اور مجھ پر لرزہ چڑھ گیا۔ اس نے جب میری یہ کیفیت دیکھی تو مجھے دلاسا دیا اور کہا کہ اے ابو بصیر تو گھبرا نہیں۔ اپنا دل قوی رکھ۔ میں تیرا صاحبِ محل بن اثاثہ ہوں۔ میں ہی تیری زبان پر اشعار القا کرتا ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو اس وقت میرے دل کو تسکین ہوئی اور اپنے آپے میں آیا۔ اس عرصہ میں مینہ بھی بند ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے رستہ بتلایا۔ اور جس طرف میں جانا چاہتا تھا وہ سمت مجھے دکھلا کر کہا۔ کہ دہنے بائیں نہ مڑنا۔ سیدھا چلا جا۔ بلا دقتیں ہی میں

جا پہنچے گا +

اسی اعتقاد کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوا شعراء کو جنوں کا کتا کہا جاتا تھا۔ یعنی شعراء جنوں کے بھونکانے سے بھونکتے ہیں۔ عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے۔

وانزلنا البيوت بذي طلوح
الى الشامات تنفي الموعدينا
وقد هرت كلاب الجحامين
وشذا بنا قتاة من يلينا

ہم نے اپنے خیمے ذی طلوح سے شامات تک لگائے
ان مقامات سے ہم اپنے دشمنوں کو جو ہمیں ڈراتے
تھے نکال رہے تھے۔ اور ہمیں سچ دیکھ کر جنوں کے کتے
بھونک رہے تھے اور جو ہمارے دشمن ہم سے قریب

تھے ہم نے ان کی شوکت توڑ دی +

ان اشعار میں کلاب جن سے عمرو بن کلثوم کی مراد شعراء ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے مقام ذی طلوح سے لیکر شامات تک اپنے خیمے لگائے اور ان مقامات سے ہم نے اپنے دشمنوں کو جو ہمیں دھکیاں دے دیکر ڈراتے تھے نکالا اور ان کی شوکت توڑ دی۔ جب ہم ایسا کر رہے تھے تو جنوں کے کتے بھونک رہے تھے۔ یعنی شعراء ہمارا ذکر کر رہے تھے اور یہ اس لئے کہا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ شعراء کو اشعار جات القاء کرتے ہیں +

اسی خیال کی بنا پر جو اوپر مذکور ہوا اشعار کو شیا طین کا منتر بھی کہتے تھے
جریر کہتا ہے۔

رايت رقي الشيطان لا تستقره
وقد كان شيطاني من الجن راقيا

میں نے شیطان کے منتر کو دیکھا کہ وہ اسے حرکت
نہیں دیتا۔ حالانکہ میرا شیطان جنوں کا منتر کرتا تھا
جاہلیت کے سخی اور داتا لوگوں کا دستور تھا کہ رات میں اونچی جگہوں پر آگ جلاتے
تھے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اندھیری رات میں مہمان ٹکریں کھاتا نہ پھرے
اور آگ کو دیکھ کر اس کے پاس چلا آئے تاکہ وہ اُسے کھانا کھلائے اور اس کی خدمت کرے
شعراء جاہلیت کے اشعار میں اس کا ذکر اور اس کے ساتھ فخر کرنا کرتے پایا جاتا ہے۔

اني اذا خفيت نائيل ملة
الفي بارفع تل رافعا ناري

جب بوجہ قحط اور سختی کے بیوہ عورت اور مرد بے توشہ
کے لئے آگ مٹھنی ہو جاتی ہے تو میں اونچے ٹیلہ پر آگ

مہانوں
کی خاطر
آگ جلانا

سہ افغانی

جلاتا ہوا پایا جا ہوں +

ایک یہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی مسافر رات کے اندھیرے میں بھٹکتا پھرتا اور راہ نہ پاتا تو زمین میں لیٹ کر کتے کی آواز بولتا اس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ اگر اس پاس کوئی قبیلہ ٹھہرا ہوا ہو گا تو اس کے کتے اس کی آواز سن کر بھونکیں گے اور اس طرح وہ اس قبیلہ کا مہمان جا بنے گا۔ اس رسم کا ذکر بھی جاہلیت کے اشعار میں بہت آیا ہے۔
ابن ہریرہ کہتا ہے ۔

وَاِذَا تَاَنَّا طَارِقَ مُسْتَنَوِرٍ
بِخُتٍ فَدَلَّتْ عَلَيَّ كَلَابِیْ
وَفَرَحْنِ اِذَا بَصَرُنَا یُضْرِبُنَا
مِنَ النَّسَمِ بِاَشْرَاسٍ اِلَّا ذُنَابِیْ
جب کوئی آگ کا طالب رات کا مسافر ہمارے پاس آتا ہے تو میرے کتے بھونکتے ہیں اور اُس کو میری طرف رہبری کر دیتے ہیں جب اُسے دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور اُس سے مانوس ہو کر اپنی دُمیں ہلاتے ہیں +

اہل عرب مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے۔ جب کسی کے پاس مہمان آتا تھا تو مارے خوشی کے اُس کا چہرہ بشاش ہو جاتا اور اس سے مرحبا اور تعظیم و تکریم سے ملتا۔ اور جہاں تک جلد ممکن ہو سکتا اس کے آگے کھانا لاکر رکھتا اور اس بات سے ڈرتا کہ کہیں اس مہمان کو کوئی دوسرا شخص نہ لے جائے عربوں میں یہ سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلی آتی تھی۔ ان کی مہماں نوازی مشہور عالم ہے +

جاہلیت کی آگیں

جاہلیت کے لوگوں میں چند قسم کی آگیں جلائے کا دستور تھا۔ یہ آگیں مختلف عوارض و حادثات کے ظہور کے وقت جلائی جاتی تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
نار القریٰ۔ جسے نار الضیافہ بھی کہتے ہیں۔ یہ آگ رات کو بھولے بھٹکے مسافروں کی رہبری

کے لئے جلائی جاتی تھی۔ مزید شہرت کی غرض سے اس آگ کو اونچی جگہوں پر جلاتے تھے۔
 منڈلی رطب جو ایک قسم کی خوشبو ہے ڈالتے۔ تاکہ خوشبو کے ذریعہ سے نابینا بھی رستہ
 معلوم کر لیں۔ جاہلیت کے لوگ آگ کو تمام آگوں سے افضل جانتے تھے۔ کیونکہ اس آگ
 سے رستہ پا کر ان کے ہاں مہمان آتے تھے جن کے آنے کے وہ ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے۔
 چونکہ اس آگ سے اُن کا مقصود سخاوت و فیاضی۔ اور غریب الوطن مسافروں کی
 دستگیری تھی۔ اس لئے اس آگ جلانے پر وہ ہمیشہ فخر کرتے۔ اور اپنے اشعار میں اپنی
 تعریفیں کرتے تھے +

نار مزدلفہ۔ یہ آگ مزدلفہ میں جلائی جاتی تھی۔ اور مقصود اس آگ جلانے سے یہ تھا
 کہ جو لوگ عرفات سے مزدلفہ میں آئیں وہ اس کی روشنی سے رستہ پائیں۔ اس آگ کی روشنی
 مزدلفہ سے عرفات تک پہنچتی تھی۔ سب سے پہلے یہ آگ مزدلفہ میں نضی بن کلاب نے جلائی
 تھی پھر اس کے بعد ہمیشہ رائج رہی +

نار التحالف۔ جب دو فریق آپس میں ایک دوسرے کی نصرت و امداد کے عہد کرنے کا
 ارادہ کرتے تو آگ جلاتے اور اس کے پاس قسم کھا کر ایک دوسرے کی نصرت و امداد پر عہد
 کرتے۔ اور یہ دعا مانگتے کہ جو اپنے عہد کو توڑے وہ آگ کی خیر سے محروم ہے
 اس آگ میں نمک اور گندھک ڈالتے تھے۔ جب آگ خوب بھڑکنے لگتی تو قسم کھانے
 والے سے کہتے کہ یہ آگ تجھے ڈراتی ہے۔ اگر اُس شخص کا ارادہ جھوٹی قسم کھانے کا ہوتا تو وہ
 قسم کھانے سے رک جاتا۔ اور اگر اس کے دل میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہوتا تو وہ بے تامل قسم
 کھا لیتا۔ چونکہ یہ آگ جھوٹی قسم کھانے سے ڈراتی تھی۔ اس واسطے اس کا نام نار مہول
 یعنی ڈرانے والی آگ بھی تھا۔ آگ کی تخصیص اس واسطے کی تھی کہ اس کا نفع فقط انسان ہی
 کے ساتھ مختص ہے۔ انسان کے سوا اور کسی حیوان کو اس سے نفع نہیں پہنچتا +

نار الغدر۔ جب کوئی شخص کسی کو پناہ دیکر اس کے ساتھ عہد شکنی کرتا۔ تو حج کے دنوں میں منا
 میں ایک اونچی جگہ پر آگ جلاتے اور پھر خوب چلا کر کہتے کہ یہ فلان شخص کے عہد کی نشانی
 ہے۔ لوگوں کو اُس سے بچنا چاہیے۔

نارالسلامتہ جب کوئی شخص سفر سے سلامت اور کامیاب واپس آتا تو اس کے لئے
آگ جلاتے ہیں۔

نارالطرو۔ جب کوئی شخص رخصت ہوتا اور اس کا واپس آنا نہ چاہتے تو اس کے پیچھے آگ
جلاتے اور اس کے لئے اس طرح بددعا کرتے۔ خدا اسے دور کرے اور ہلاک کرے اور اس
کے پیچھے آگ بھڑکائے۔

نارالایہ۔ جب کسی قوم پر چڑھائی یا لشکر کشی کا ارادہ کرتے تو پہاڑ پر آگ جلاتے تاکہ سب
لوگوں کو خبر پہنچ جائے اور سب ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

نارالصید۔ یہ آگ ہرنوں کو شکار کرتے وقت جلاتے تھے تاکہ ان کی روشنی سے ان کی آنکھیں
چندھیا جائیں اور بھاگ نہ سکیں۔ شتر مرغ کے انڈے بھی آگ جلا کر ڈھونڈتے تھے۔

نارالاسد۔ جب شیر کا غوف ہوتا تھا تو آگ جلاتے تھے تاکہ آگ کو دیکھ کر اسے فکر لاحق ہو جائے
اور حملہ نہ کر سکے۔

نارالسلیم۔ یہ آگ مارگزیدہ اور کوڑے لگے ہوئے۔ اور خون بہتے ہوئے مجروح اور دیوانے
کتنے کے کانٹے ہوئے اشخاص کے لئے اس غرض سے جلائی جاتی تھی کہ انہیں غم نہ آئے
اور ان کی تکلیف بڑھ جائے جس سے وہ مرجائیں۔

نارالفداء۔ جب بادشاہ کسی قبیلہ کی عورتیں پکڑ کر لے جاتے تھے۔ تو اس قبیلہ کے سردار
اور معزز لوگ ان کے پاس فدیہ لیکر اپنی عورتیں چھڑانے جاتے تھے۔ بادشاہ عورتوں
کی فحیحت اور رسوائی کے خوف سے ان کو دن میں واپس دینا پسند نہ کرتے اور اندھیرے

میں بلوغ الارب فی احوال العرب کے فاضل اور لایق مصنف نے اسی طرح لکھا ہے لیکن یہ سچ نہیں۔ مارگزیدہ کے
لئے جو آگ جلائی جاتی تھی۔ اس سے اس کا مارنا ہرگز مقصود نہیں تھا۔ بلکہ اس کے پاس آگ جلائے کی وجہ یہ
تھی کہ وہ بیدار رہے اور اسے غم نہ آنے پائے تاکہ سونے میں سانپ کا زہر کل بدن میں نہ پھیل کر جائے
شاید مصنف موصوف سے سہو ہو گیا ہے۔ ورنہ دوسری جگہ اس نے خود نصیر بن شمیل رضی اللہ عنہ کا قول
نقل کیا ہے جس میں بیداری کی یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔ جو ہم نے بیان کی ہے جیسا کہ ہم سابق میں صفحہ
۱۳۶ میں لکھ چکے ہیں۔

میں ان عورتوں کی تعداد معلوم نہ ہوتی جن کو وہ اپنے لئے انتخاب کر کے روکتے راستہ
عورتوں کو واپس دینے وقت آگ جلاتے ہیں۔

نارالاستمطار جب فخط پڑ جاتا اور بارش نہ ہوتی تو گالیوں کی دموں میں سلع اور عشر
کی لکڑیوں کے گٹھے باندھتے اور ان میں آگ لگا کر ان کو دھوا کر گزار پہاڑوں پر چڑھاتے
اور اس کو بارش کے اسباب میں سے خیال کرتے ہیں۔
ان آگوں کے علاوہ اور بھی چند قسم کی آگیں تھیں۔ لیکن چونکہ ان کو رسوم سے کوئی
تعلق نہیں ہے اس لئے ہم ان کا ذکر کرنے فضول کتاب کا حجم بڑھانا پسند نہیں کرتے ہیں۔

بعض خوبیاں

عرب جاہلیت میں جہاں یہ ہزاروں بیہودہ اور خورسین راج تھیں وہاں ان میں چند
عہدہ اور قابل تعریف باتیں بھی تھیں۔ سخاوت شجاعت۔ مہمان نوازی اور مفلس و محتاج
لوگوں کی خبر گیری ان کے خیر میں داخل تھی اپنے قول و قرار کے سچے تھے ماوراء راوے
کے پورے ظلم کے دفع کرنے۔ عہد کے پورا کرنے۔ ہمسایہ اور مہمان کیساتھ سلوک کرنے کی
ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہتے تھے ان کی یہ خوبیاں مشہور عالم ہیں جن سے ان کے
قصاید اور وادیں پر ہیں۔ سخاوت میں دنیا میں سب سے زیادہ مشہور شخص حاتم طائی ہے
جو خاک پاک عرب کا باشندہ اور اس زمانہ کا شخص تھا جسکو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ قیمت
کی بات ہے کہ عوام میں سب سے زیادہ شہرت حاتم طائی کو حاصل ہوئی ورنہ عرب جاہلیت میں
ان کے حاتم طائی موجود نہ تھے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ہر شخص حاتم طائی ہی تھا تو کچھ بجا نہیں
ہے۔ کتب بن مامہ ایادی۔ اوس بن عمارہ۔ ہرم بن سنان۔ عبد اللہ بن حبیب غنیری۔ عبد
بن جدرعان ثمی۔ قیس بن سعد۔ عبدة الکلیبہ۔ قتادہ بن مسلم۔ منقہ مطاعیم الریح۔ اوداد الرکب
حاتم طائی۔ یہ سب لوگ جو دکر م اور سخاوت و فیاضی میں ضرب المثل ہیں اور سوائے چند
مسلمانوں کے تمام دنیا میں ان کے برابر کوئی سخی نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ بقس سخاوت اور

فیاضی جاہلیت کے ہر شخص میں موجود تھی۔ اہل تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عرب جاہلیت کے ان اسخیا کا استیجاب بھی ناممکن ہے جو سخاوت میں ضرب مثل گزرے ہیں عام سخیانکا تو ذکر ہی کیا کہ عرب جاہلیت کے لوگ ایفاء عہد اور وعدے میں بھی تمام دنیا سے سبقت لے گئے تھے عوف بن حکم بن حنظلہ بن عضرہ حارث بن ظالم مری۔ ابو ضیل طائی حارث بن عباور سہل بن عادیہ فکیہ بنت قتادہ۔ ام جیل دوسریہ۔ ایفاء عہد میں ضرب مثل ہیں۔ اگر ہم ان سب کی وفا کا مفصل حال لکھیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو جائے۔ یہ لوگ ضرب مثل ہیں۔ ورنہ تمام عرب کی وفا مشہور ہے اس سے بڑھ کر اور کونسی بات ہو سکتی ہے کہ عہد شکن بیٹے گویا پ اپنی انہیت سے خارج کر دیتا تھا۔

سب زیادہ بہادر اور غیرت مند اہل مکہ تھے۔ انہوں نے اپنا ملکی اور قومی انتظام خود اپنے ہاتھ میں رکھا۔ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت کا جواب اپنے کندھے پر نہیں رکھا اور سلاطین زمین میں سے کبھی کسی کے باج گزار نہیں ہوئے اپنے شہر پر کبھی کسی بادشاہ کو قابض نہیں ہونے دیا اور اس کا نام بلد انقلح شہر آزاد اور شہر غیر مفتوح رکھا۔ قبائل حمیر۔ کندہ۔ لخم۔ عسائر۔ اور ان کے سلاطین قریش کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے۔ اور امور غریبی میں ان کی اطاعت و اقتدار فرض جانتے۔ اہل مکہ جس پر چاہتے پڑھائی کرتے۔ اور قیدی پکڑ لاتے۔ گمان پر پڑھائی کرتا اور نہ انہیں قیدی بنا سکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ابو ادین الملک شہر نقاح

اذا ھجروا الی حرب ابا بوا

نواٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

انہوں نے بادشاہوں کی اطاعت سے انکار کیا سو وہ آزاد ہیں۔ اور جب لڑائی کی طرف اٹھانے جاتے ہیں

اہل مکہ کو اپنے شہر اور اپنی قوم سے غایت درجہ کائنات تھا۔ حدود مکہ سے باہر رہنا اور اپنی قوم کے کسی آدمی کی نسبت کسی شخص کی زبان سے کوئی برا نقطہ سننا انہیں از حد ناگوار گزرتا تھا۔ قصیدہ بنی عوف کے ایک شخص نے ابوہل اور قریش کی ہجو کی تھی۔ زہر فان بن بدر اسکو غائب کر کے کہتا ہے۔

اندری من ھجوت ابا حبیب

اے ابو حبیب تو جانتا ہے کہ تونے کسی ہجو کی ہے

سلیل خفارم سکنوا لبطا ح
ازاد الرکب تذکر ام هساما
وبیت الله والبلد اللقا ح

تو نے ساکنین بطا کے سخیوں کی نسل کی بھوکی ہے
تو زاد الرکب (قلے والوں کو کھانا کھانے والے) کا
عیب بیان کرتا ہے یا ہشام را بو جہل کا یا اللہ کے گھر

اور غیر مفتوح شہر کا۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی بچے قابل نہیں ہے
ابو مضر حضرمی حرم سے باہر سکونت اختیار کرنا چاہتا تھا حرب بن امیہ اس کو اس طرح
پر بھاتا ہے

ابامطیر ہلم الی صلح
فیکفیک الندامی من قریش
وتنزل بلدہ غرات قدایما
دنامن ان یزودک رب عیش
فنامن وسطہم وتغیش فیہم
ابامطیر ہدیت بخیر عیش

اے ابو مضر راہ راست پر آ جا۔
قریش سے ہم صحبت تیرے لئے کافی ہوں گے اور
تو اس شہر میں رہیگا جو ہمیشہ غالب رہا ہے اور اس
بات سے تو امن میں رہیگا کہ کوئی صاحب لشکر
تجھ پر چڑھتی کرے۔

ان میں تو امن اور عیش سے رہیگا۔ اے ابو مضر تجھے
عمدہ زندگی کی طرف ہدایت کی گئی ہے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب جدے سے مکے تشریف لائے تو آپ نے بھی مکے
کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب
اگر میں زبردستی تجھ سے نہ نکالا جاتا تو اپنی خوشی سے میں کبھی نہ نکلتا۔
جاہلیت کے لوگوں میں حمیت اور غیرت بھی تمام دنیا سے زیادہ تھی اور اس صفت میں
وہ حد اعتدال سے بڑھ گئے تھے جو مدح سے نکل کر ذم میں داخل ہو گئی۔ جیسا کہ بے گناہ لوگوں
کو مار ڈالنا ان کی حمیت اور غیرت ہی کا باعث تھا۔

عرب جاہلیت میں یہ بھی بڑی خرابی تھی کہ وہ یتیموں کا مال کھانا حرام جانتے تھے۔ اور ان
کی شان کو بہت بڑا خیال کرتے تھے۔ نہ ان کے مال کو ہاتھ لگاتے تھے۔ نہ ان کی سواری پر
سوار ہوتے تھے اور نہ ان کا کھانا کھاتے تھے۔ چونکہ یتیموں کے مال سے اجتناب کرنے میں
میں ان کی احتیاط حد سے بڑھ گئی تھی۔ جب سے بعض اوقات یتیموں کو نقصان پہنچتا تھا۔ اس لئے

خدا نے یہ حکم دیا کہ اہل مقصود و یشیوں کی صلاح ہے اگر تمہارا ان سے بالکل علیحدہ رہنا
ان کے حق میں مضر ہو تو ان کا ہانڈی چوہا علیحدہ نہ کرو ان کو اپنے ساتھ شامل رکھو
وان تخالطوہم فانحو انکون یعنی اگر تم ان کو اپنے ساتھ شریک رکھو تو وہ تمہارے

بھائی ہیں کوئی غیر تھوڑا ہی ہے *

جاہلیت کی تہذیب اور شایستگی کا ایک اونی نمونہ یہ ہے کہ جب وہ دشمن کے مقابلہ
پر میدان جنگ میں نکلتے تو بھوکے اور خالی پیٹ نکلتے تھے۔ کھانا کھا کر لڑائی کے لئے نکلنا
ان کے ہاں معیوب گنا جاتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں
ایسا نہ ہو کہ دشمن کا نیزہ ہمارے شکم میں لگے۔ اور کھانا باہر نکل پڑے جس سے دوسرے لوگوں
کو نفرت ہو۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوم عرب ایک ستھری اور صاف قوم تھی عبد ایشاق
بن عبد العزیٰ جہنی کہتا ہے کہ

لے روینہ کاش تو ہماری اس دن کی لڑائی دیکھتی
جس دن ہم بھوکے اور خالی شکم اپنے دشمنوں سے لڑے

ردینۃ لورایت غدا اہاجننا
عنے ضماننا وقد اختومنا

رہے تھے اور ہمارے دل گینہ سے پڑتے تھے *

سب سے بڑی خوبی جاہلیت کے لوگوں میں یہ تھی کہ عورتوں کے بارہ میں سخت غیور تھے
اس زمانہ کی شریف عورتیں عموماً پردے میں رہتی تھیں۔ اور کسی غیر محرم کے سامنے اپنا منہ نہیں
کھولتی تھیں۔ ہانڈی اور بی بی کی یہ پہچان تھی کہ باندیاں کھلے منہ باہر پھرتی تھیں۔ اور بیبیاں
لپٹے چہروں پر نقاب ڈالے رہتی تھیں *

سر سید مرحوم خطبات احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ عورتوں میں اپنے گھر سے نکلنے اور عام
جمع میں بدون پردہ اور عجاب کے آنے کا دستور تھا اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور
عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں *

ہمارے خیال میں سر سید مرحوم کا یہ لکھنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ہم کو جہانگیر ثابت
ہوا ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں گو بعض دیہات میں پردے کا رواج نہ تھا لیکن بڑے

لے دیکھو تفسیر بن جبر پر صفحہ ۲۰ *

بڑے قصبات اور شہروں کی عورتیں بھی غیر مردوں کے سامنے اپنا منہ نہیں کھولتی تھیں
سیرہ بن عمر و فقیہی کہتا ہے کہ ۵

و نسو تکم فی الروع باد و جو ہرما
یخاں اعماء و الاء ماء الحراثر

لڑائی میں تمہاری بیبیاں جن کے میدان جنگ سے
بھاگتے وقت شدت خوف اور گھبراہٹ کے باعث

منہ کھلے ہوتے تھے بسبب بے پردگی کے باندیاں معلوم ہوتی تھیں حال آنکہ حقیقت
میں یہ باندیاں بیبیاں تھیں ۶

ربیع بن زیاد مالک بن زبیر غلبی کے مرثیہ میں کہتا ہے کہ ۷

قد کن یخاں الی جوہ نسوا

مالک کے قتل سے پیشتر ہماری عورتیں پردہ کی

وجہ سے اپنے چہرے پھیپھڑے رکھتی تھیں لیکن اس کے مرنے سے ان کے منہ کھل گئے اور
انہیں بے پردہ ہونا پڑا کیونکہ ہر صبح و شام کھلے منہ اور برہنہ سر اس پر روتی اور اس کے ماتم میں
لپٹے منہ بیٹھی چھاتی کوٹتی گریباں پھاٹتی اور سر کے بال تو جتی ہیں ۸

اس مصیبت سے زیادہ پردہ الٹا
اور ڈھنی سر پر چہرہ پر نقاب
اب کھلے منہ دیکھتے ہیں ناظرین
لہو جتی ہیں اپنے سر کے بال وہ
چھٹی ہیں منہ کو اپنے صبح و شام
ماتم مالک میں دیوانی ہوتیں
چاک کرتی ہیں گریباں ہر سحر

پہلے تو رہتا تھا ان کا منہ چھپا
نسل مالک کے ہوئیں وہ عجیب
شہر میں اسکے زوہر ہوتے ہو گئی
ہو گئیں میں حال سے بجاں وہ
سینہ کوئی سے نہیں ہزم ہو کام
آہ کیا وقف پریشانی ہوئیں
جوش و خروش بڑھ گیا ہے اس قدر

ان اشعار سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آزاد عورتیں غیر مردوں سے ہمیشہ اپنا منہ چھپاتی
تھیں۔ خدا معلوم سرسید مرحوم نے کہاں سے لکھ مارا کہ جاہلیت کی عورتیں غیر مردوں سے
پردہ نہیں کرتی تھیں۔ یہ اشعار جو ہم نے لکھے ہیں اس بات کی کافی دلیل ہیں کہ جاہلیت

کی شریف عورتیں غیر مردوں کے سامنے کبھی اپنا منہ نہیں کھولتی تھیں اس کے علاوہ خود لفظ
مخدرات بھی جو جاہلیت کا لفظ ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جاہلیت کی عورتیں پرستے
میں رہتی تھیں۔ نیز شعرائے جاہلیت نے اپنے اشعار میں عورتوں کے برقع اور نقاب کا بھی
ذکر کیا ہے۔ جس سے اس زمانہ میں عادت طور پر پردہ کا وجود پایا جاتا ہے۔

گھر سے باہر نکلنا اور عام مجمعوں میں جانا اور بات ہے اور غیر مردوں کے سامنے منہ
کھولنا اور بات ہے۔ یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو مجمعوں میں شریک ہو۔ اس کا منہ بھی کھلا
ہوا ہو۔ اہمات المؤمنین بھی اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر اور جہادوں میں جاتی
تھیں۔ لیکن باوجود اس کے کسی غیر مرد کو اپنا منہ نہیں دکھلاتی تھیں۔

